معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپے   فی شمارہ سات روپے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپے

دیگر ممالک میں سالانہ   ہوائی ڈاک   بیس پونڈ   یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک   سات پونڈ   یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحیی شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
کمیشن ۲۵% ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

معارف

جلد ۱۵۹ ماہ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۹۷ء عدد ۳

فہرست مضامین

شذرات

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مغرب کے بعض مفکرین اور ماہرین تعلیم کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک نظامِ تعلیم کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کو اپنی زندگی گزارنے میں زیادہ سے زیادہ مدد مل سکے یا نوع انسانی کے لیے اجتماعی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہو سکیں یا اس کی آخری غایت محض اس قدر ہے کہ انسان کو مادی قوانین کا صحیح ترین علم ہو سکے، مغربی نظامِ تعلیم میں بداخلاقی بالواسطہ صرف اس حیثیت سے مذموم ہے کہ بالآخر اسکے نتائج اسکے مرتکب کے لیے تکلیف دہ ثابت ہونگے۔ اس لحاظ سے معیوب نہیں ہے کہ وہ بجائے خود کوئی قابلِ مواخذہ گی ہے۔ سید صاحبؒ نے کرۂ ارض کے دوسرے حصوں میں ایک ایسے نظامِ تعلیم کا ذکر کیا ہے جس میں علم حصول کی غایت تمامتر خداشناسی، تزکیۂ نفس و توفیقِ حسن عمل ہے اور اس کا آخری مقصد نجات اخروی ہے نہ کہ بیش قرار مشاہروں کا حصول، سعدیؔ تحصیل علم کے لیے جاں گداز کوششوں کی ترغیب اس لیے دیتے ہیں کہ بغیر اس کے خداشناسی و فلاح اخروی ممکن نہیں ہے

پئے علم چوں شمع باید گداخت ۔۔۔ کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

بدو دامنِ علم گیر استوار ۔۔۔ کہ علمت رساند بدار القرار

جس نظامِ تعلیم کی غایت خداشناسی ہو اس میں طلب علم کا مقصد رضائے الٰہی، حیاتِ اخروی، رفعِ جہالت نفس اور خدمتِ خلق ہوتا ہے اس لیے وہ لامحالہ پاکیزہ نفسی حسن سیرت و کردار طہارتِ قلب و نظر اور صفائی فکر و عمل کا مظہر ہوگا۔ یہاں جو جس قدر علم میں فائق ہوگا اس میں اسی قدر احتیاط اور ذمہ داری ہوگی، تعلیم یافتہ شخص اپنے کو جوابدہ اور بداخلاقی اور ہر قسم کی مجرمانہ حرکت کو قابل مواخذہ سمجھے گا۔ لوگوں کی خدمت و خیر خواہی اور قوم و وطن کی فلاح و بہبود کے سوا اس کا کوئی مطمح نظر نہ ہوگا۔ اس کا کوئی رویہ شر و فساد اور ہنگامہ و تشدد کا باعث نہ ہوگا، نہ جرائم و بدعنوانیوں کا کوئی تصور اس کے ذہن میں پیدا ہوگا اور نہ اپنے ملک و قوم سے بے وفائی اور غداری کا کوئی خیال ہی اس کے دل میں آئے گا، وہ مجبوروں، کمزوروں، غریبوں، پریشان حال اور مصیبت زدہ لوگوں کے استحصال سے باز رہے گا۔ اس کے ہاتھ اپنے ہی ملک و قوم کے انسانوں کے خون ناحق سے رنگین نہ ہونگے، ایسے نظامِ تعلیم کی بدولت جو معاشرہ وجود میں آئے گا وہ جرائم، فواحش، بدعنوانیوں اور گھوٹالوں سے پاک اور رحم و محبت، پاکیزگی اور تقدس کا نمونہ ہوگا، طلبہ و اساتذہ میں عزت و احترام اور رحم و شفقت کا رشتہ ہوگا، طلبہ معمولی معمولی بات پر ہنگامہ و تشدد پر آمادہ نہ ہونگے اور اساتذہ اپنے مطالبات سے انتشار و خلفشار نہ برپا کریں گے۔

مگر یہ پاکیزہ نظامِ تعلیم اب خواب و خیال ہو رہا ہے اور یورپ و امریکہ کی سیاسی بالادستی کی وجہ سے وہ نظامِ تعلیم دنیا پر مسلط ہو رہا ہے جو خدا ناشناسی کی بنا پر مفاسد و معائب کا سرچشمہ ہے۔ اس کا اندازہ محض اسی سے ہو سکتا ہے کہ یورپ میں تعلیم عام ہونے کے باوجود اخلاقی خرابیوں اور جرائم کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہندوستان علمی و تعلیمی حیثیت سے پس ماندہ ہے یہاں ہر زبان پر علم و تعلیم کی کمی کا شکوہ جاری ہے مگر جاہل ہندوستان و تعلیم یافتہ مغرب میں جرائم کے درمیان تناسب کم ہے خود ہندوستان کی جو ریاستیں تعلیم و تہذیب میں آگے ہیں ان میں جرائم زیادہ تعداد میں واقع ہوتے ہیں اور جو ریاستیں تعلیم و تہذیب میں پست اور کم تر ہیں وہاں جرائم نسبتاً کم ہوتے ہیں۔

لیکن یہ صورت حال تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں لوگوں کو جرائم اور بدعنوانیوں کے لیے ہر طرح کی چھوٹ مل گئی ہے جرائم کی تمام قسموں کی نشو و نما ہو رہی ہے جو جتنا ہی مہذب، تعلیم یافتہ اور بلند عہدہ و منصب پر فائز ہے وہ اتنا ہی بے لگام غیر ذمہ دار اور بدعنوان ہے حوالوں اور گھوٹالوں کی تفتیش نے کتنے ہی صاف، خوش نما اور بے داغ چہروں کو بدنما، داغدار اور کریہہ المنظر بنا دیا ہے۔

ہمارا روئے سخن تعلیم یافتہ لوگوں کی طرف ہے جن کو افراد و جماعتوں کو بنانے بگاڑنے اور قوم و ملک کی تعمیر و تخریب میں خاص دخل ہوتا ہے اچھے اور بہتر تعلیمی نظام ہی سے وہ افراد و جماعتیں تیار ہوتی ہیں جو قوم و ملک کی خرابیوں کی اصلاح کرتے ہیں اور انہیں ترقی سے ہمکنار کرتے ہیں لیکن اس وقت یہی طبقہ اخلاقی و قومی تنزل اور آئین و قانون شکنی کا سبب بن گیا ہے اور ہماری تعلیم گاہیں خرابیوں، بدعنوانیوں اور مجرمانہ حرکتوں کا مرکز ہو گئی ہیں۔ نہ طلبہ کو پڑھنے سے دلچسپی، نہ اساتذہ کو پڑھانے سے سروکار، طلبہ کو اپنے استاذوں کو زد و کوب کرنے میں تامل نہیں، شورش، ہنگامہ اور بات بات پر احتجاج ان کا معمول ہے ان کی اسٹرائک اور ہڑتال سے تعلیمی ہی نہیں شہری زندگی بھی

مفلوج اور معطل ہوجاتی ہے اور جب وہ تشدد اور توڑ پھوڑ پر آتے ہیں تو اپنی مادر علمی کے قیمتی اثاثوں اور قوم و ملک کی املاک کو جلاکر خاکستر کردیتے ہیں، ان سب کے باوجود ان کو آسانی سے ڈگریاں مل جاتی ہیں اور یہی قلیل البضاعت، بے استعداد اور مجرمانہ کردار کے لوگ ملک کے سیاہ و سفید کے مالک ہوجاتے ہیں جس کے بھیانک اور تباہ کن نتائج آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں، خداشناسی اور فلاح اخروی کو تعلیم کا نصب العین بنائے بغیر قومی و ملی زندگی کا ہر خاکہ نامکمل اور ہر نقشہ بے رنگ رہے گا۔

افسوس ہے کہ گزشتہ ماہ مشہور فاضل شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ریاض میں انتقال فرماگئے، ان کی تدفین مدینہ منورہ کے معروف قبرستان جنت البقیع میں ہوئی، شیخ کا وطن شام کا مشہور شہر حلب تھا، ابتدائی تعلیم شام میں اور اعلیٰ تعلیم جامعہ ازہر مصر میں پائی۔ ایک عرصہ تک شام ہی میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، ۱۹۶۴ء میں محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض میں پروفیسر مقرر ہوئے تصنیف و تالیف سے مدۃ العمر سروکار رہا، حدیث و رجال پر انکی بڑی وسیع اور گہری نظر تھی، فقہ، تاریخ و ادب سے بھی دلچسپی تھی، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی سے خاص شغف تھا، ان کی متعدد کتابیں ایڈٹ کیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کے علمی تبحر اور وسعت نظر کے بڑے معترف تھے، ممتاز عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے ان کے مخلصانہ روابط تھے جن کی دعوت پر وہ کئی بار دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ تشریف لائے اور اس کے اور ہندوستان کے دوسرے کتب خانوں سے استفادہ کیا، ان کے تلامذہ کا حلقہ وسیع تھا جن میں ہندوستانی فضلا بھی شامل ہیں، شیخ ابوغدہ کی وفات بڑا علمی سانحہ ہے اللہ تعالیٰ دین و علم کے اس خادم کی مغفرت فرمائے۔

اردو میں اچھے رسالوں کا فقدان ہے اور ایسے رسالے تو نایاب ہی ہیں جن کا مقصد محض اردو کی خدمت و ترقی ہے اردو بک ریویو اس کمی کو پورا کرنے کیلئے ایک سال سے نکل رہا ہے۔ اس میں اردو مطبوعات پر تبصرے کے علاوہ اسکے موجودہ حالات و مسائل بھی زیر بحث آتے ہیں اور اردو دنیا کی ہر قسم کی خبریں بھی ہوتی ہیں! ایسے مفید، بامقصد اور معلوماتی رسالہ کی توسیع اشاعت اور اسکی بقاو تحفظ اردو والوں کا فرض ہے اس کا زرسالانہ ۱۰۰ روپے ہے اور پتہ یہ ہے: ۱۷۳۹/۳، بیسمنٹ، نیوکوہ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۲۔

توراۃ و انجیل کی دو بشارتیں

جن کے مصداق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

از
ڈاکٹر مولانا حبیب ریحان ندوی ازہری۔

(۲)

حضور پاک کی پیشین گوئیاں حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی کا یہ جملہ "وہ آیندہ کے متعلق خبریں دے گا" مبنی بر حقیقت جملہ ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار آنے والے واقعات کی اطلاع قرآن پاک کے ذریعہ دی اور بہت سی باتیں اس حکمت و وحی کے ذریعے بتائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو "وحی غیر متلو" کی شکل میں دی تھی اور جسے سنت یا حدیث کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ پیشین گوئیاں قرآن کے علاوہ، حدیث پاک کی کتابوں، سیر و سیرت کے دفتروں اور اعلام نبوت یا دلائل نبوت جیسی تصنیفات میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ بعض موضوع اور ضعیف و بے اصل باتیں بھی ان میں موجود ہیں، لیکن صحیح چیزوں کو تلاش کرنے کا کام محدثین اور علمائے امت نے کیا ہے اور اس رو سے صحیح و مستند پیشین گوئیاں بھی اتنی زیادہ ہیں اور ان کی تشریح و توضیح اتنی طویل ہے کہ پوری ایک ضخیم کتاب بھی ان کے لیے ناکافی ہے۔ راقم یہاں صرف پانچ پیشین گوئیوں کی کچھ تفصیل بیان کرے گا اور دوسری متعدد پیشین گوئیوں کی طرف صرف اشارہ کرے گا۔

جلدی نہ کرو، نشانیاں آنے والی ہیں

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ۔ (الانبیاء: ۳۶: ۳۷)

یہ منکرین حق جب تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق بنا لیتے ہیں، کہتے ہیں کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے خداؤں کا ذکر کیا کرتا ہے، انسانوں کا حال یہ ہے کہ رحمن کے ذکر سے منکر ہیں، انسان جلد باز مخلوق ہے ابھی میں تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتا ہوں، جلدی نہ مچاؤ۔

اس کے بعد والی آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نشانیاں قیامت کے دن ظاہر ہوں گی اور جہنم کی آگ سے وہ بچ نہ سکیں گے اور حق یہ ہے کہ یہ وعدۂ حق اور پیشین گوئی پوری ہو کر رہے گی۔ یا دوسری تفسیر یہ بھی ہے کہ جب رسولِ پاکؐ دین کے نشر ہونے اور اپنے اصحاب کے غالب ہونے کا ذکر کرتے تھے تو مشرکین و مخالفین اسے جھٹلاتے تھے اور یہ کہتے تھے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تو خدا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ غلبۂ دین اور نصرت رسولؐ کی نشانی تم عنقریب اس دنیا میں دیکھ لوگے۔ سورۂ انبیاء ہی کی آیت نمبر ۴۱ اس کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انبیاء و رسل کے ساتھ استہزاء کرنے والوں پر مصیبت آجاتی ہے، یہ ذہن میں رہے کہ یہ آیات مکیہ ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (انبیاء: ۴۱)

تم سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑانے والے اسی چیز کے پھیرے میں آگئے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اور اس طرح ان استہزاء کرنے والوں کو دنیا میں بھی دردناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

اپنی نشانیاں آفاق وانفس میں دکھا دیں گے

سورۂ حم السجدہ میں جو مکی سورت ہے اس میں خدا نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان مشرکین سے کہدو:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ (حم سجدہ: ۵۲-۵۳)

کہو ان سے کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اگر یہ (قرآن) خدا ہی کی طرف سے ہے اور تم اس کا انکار کرتے رہے تو اس شخص سے بڑھ کر بھٹکا ہوا انسان اور کون ہوگا جو اس کی مخالفت میں دور تک نکل گیا ہو، عنقریب ان کو ہم اپنی نشانیاں دنیا میں دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ واقعی یہ حق ہے۔

اس کے ایک واضح معنی تو یہ ہیں کہ قرآن پاک اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ہم تم کو آفاق و کائنات اور تمہارے نفوس میں ایسی نشانیاں دکھا دیں گے کہ تم کو اس کی حقانیت کا یقین ہو جائے گا چنانچہ اس طرح ہر علمی سائنسی اور طبی حقیقت ایک نشانی بن کر سامنے آتی رہتی ہے لیکن غور کرنے سے یہ معنی بھی ظاہر ہوتا ہے جس کی وضاحت تفسیر میں موجود بھی ہے۔ کہ جب حقانیت قرآن اور اسلام کی دعوت آپ نے مکہ میں دی تھی تو اس وقت آپ بڑی شدت اور تنگی کے عالم میں اور دشمنوں کے نرغے میں تھے لیکن ایسے وقت میں بھی آپ نے غیب کی یہ بات نہیں بتائی کہ اسلام آفاق پر چھا جائے گا اور تمہارے دل بھی اس کے قائل ہو جائیں گے۔ اور تم ایمان لے آؤ گے، اس سے بڑھ کر نصرت الٰہی پر یقین اور وعدۂ خداوندی پر اعتماد در

کیا ہو سکتا ہے اور چند گنے چنے کفار کو چھوڑ کر تمام اہل مکہ و اہل جزیرۂ عرب آپ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور خلفائے اسلام کے زمانہ میں اسلام روئے زمین پر پھیل گیا اور قیامت تک آنے والی نسلیں آیات قرآنی و آیاتِ انفس و آفاق سے برابر اسلام میں داخل ہوتی چلی جائیں گی۔

استہزاء کرنے والوں کا انجام ارشاد خداوندی ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۔

(الحجر: ۹۴-۹۵)

اے نبی جس بات کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اسے کھل کر کہہ دو اور مشرکین سے بے پروا ہو جاؤ، تمہاری طرف سے مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کو ہم کافی ہیں جو اللہ کے سوا کسی اور کو بھی خدا بناتے ہیں، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔

جہری دعوت کی ابتداء کے ایام میں اہل مکہ کی طرف سے خاص طور پر ولید بن المغیرہ المخزومی، عاص بن وائل السہمی، الاسود بن عبد المطلب الاسدی، اسود بن عبد یغوث الزہری، حارث بن طلاطلہ وغیرہ نے محفلوں، بازاروں اور ہر ہر جگہ آپ کا مذاق اڑایا، لوگوں کو آپ کی باتیں سننے سے منع کیا، اہل مکہ کا وہاں اقتدار تھا، ان کی حکومت تھی، وہ طاقتور تھے اور حضور پاکؐ کی حالت نازک تھی، دشمنوں کے نرغے میں آپ گھرے ہوئے تھے کوئی یار و مددگار نہیں تھا، اس نازک وقت میں حکم ہوتا ہے کہ جس وحی اور اسلامی تعلیم اور توحید کا حکم دیا گیا ہے اسے واضح طور پر بلا جھجک ہانک پکار کر پہنچا دو اور مشرکوں کے اعراض و

استہزاء کی مطلق پروا نہ کرو، ہم تمہاری طرف سے استہزاء اور ٹھٹھا کرنے والوں کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہیں، تاریخ جانتی ہے کہ ولید پیر میں زخم لگنے سے ہلاک ہوا، اسود بن عبد المطلب اس بددعا کا شکار ہوا "اے اللہ اس کو اندھا کر دے اور اولاد کی موت کا غم دکھا" وہ اندھا ہو گیا، اس کے لڑکے زمعہ، عقیل اور حارث اس کے سامنے فوت ہوئے، عاص بن وائل کے پیر کی طرف آپؐ نے اشارہ فرمایا وہ گدھے پر بیٹھ کر طائف جا رہا تھا، گدھے پر سے گرا، پیر میں ایک کانٹا چبھا اور اسی طرح مرا، حارث بن طلاطلہ کے پیٹ کی طرف آپؐ نے اشارہ فرمایا وہ نمکین مچھلی کھا کر سویا، رات میں پیاس لگی پانی پیا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور مر گیا۔ ثابت ہوا کہ آپ کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا، اس سے بڑھ کر اور پیشین گوئی اور کیا ہو سکتی ہے۔

ابو جہل قریش کا سردار تھا اور استہزاء و جہالت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، اس کو دوسرے اور کفار کے ساتھ عذاب جہنم کی بشارت اس طرح دی گئی:

"پکڑو اسے اور لے جاؤ رگیدتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ اور انڈیل دو اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب، چکھ اس کا مزا، تو بزعم خود بڑا زبردست اور عزت والا آدمی تھا۔" (دخان: ۴۷-۴۹)

اخنس بن شریق الثقفی اور بعض نے کہا کہ جمیل بن عامر الجمحی کے متعلق یہ کہا گیا کہ "تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو منہ در منہ لوگوں پر طعن اور پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے کا خوگر ہے، جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا، وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا، ہرگز نہیں، اسے چکنا چور کر دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔"

گو یہ وعید ہر کافر کے لیے ہے لیکن مخصوص امراء پر اس کا انطباق ہوا۔ مکہ میں یہ

(حاشیہ ص ۹۰ پر)

پیشین گوئیاں کی گئیں، اوران کا انجام یہ ہوا کہ بہت دن بعد کفر پر موت ہوئی۔

نضر بن الحارث رستم واسفندیار کے قصے سنا کر لوگوں کو قرآن اور حضور پاکؐ کی مجلس سے دور کرتا تھا، حضور پاکؐ نے قرآنی زبان میں اسے عذاب الیم کی خبر سنائی (لقمان: ۶) غزوۂ بدر میں وہ زخمی ہوا، اسیر ہو کر آیا، کفر پر مرا اور ہزیمت وشکست اور جراحت کے عذاب سے دوچار ہونے کے بعد دردناک عذاب کا حقدار بنا۔

ولید بن المغیرہ اسلام کا دشمن تھا، قرآن کی حقانیت اس پر آشکارا ہو چکی تھی لیکن اپنی سرداری قائم رکھنے کی غرض سے اس نے قریش کو یہ مشورہ دیا کہ جزیرۂ عرب سے آنے والے لوگ موسم حج میں جب آئیں گے تو دعوت اسلام سے متاثر ہوں گے اس لیے کسی ایسی بات پر اتفاق کر لیا جائے جو صاحب رسالت کے متعلق ان سے کہی جائے، لوگوں نے کہا ہم کہیں گے محمدؐ (خاکم بدہن گستاخ) پاگل ہیں، شاعر ہیں، کاہن ہیں وغیرہ۔ ولید نے کہا یہ غلط ہے اور لوگ یہ بات نہیں مانیں گے، پھر سوچ سمجھ کر اور غور وفکر کر کے یہ کہا کہ یہ جادو ہے، سورۂ مدثر میں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا "میں نے اکیلا پیدا کیا، بہت سامال اس کو دیا، حاضر رہنے والے بیٹے دیے، اس کے لیے ریاست کی راہ ہموار کی"۔ پھر آگے چل کر فرمایا، پھر سوچ سمجھ کر آخر کار بولا کہ "کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو پہلے سے چلا آرہا ہے، یہ تو ایک انسانی کلام ہے، میں اسے عنقریب دوزخ میں پھینک دوں گا"۔ آخر کار وہ کفر کی حالت میں مرا۔

غلبۂ روم کی پیشین گوئی عربوں کی حدود پر فارس اور رومی حکومتیں تھیں جو اس وقت دنیا کی دو بڑی طاقتیں تھیں اور اقتدار وتسلط کے لیے آپس میں نبرد آزما رہتی تھیں، فارسی قوم آتش پرست مجوسی تھی۔ بت پرستی بھی عام تھی اور روم والے مسیحی تھے گو انھوں نے

بھی دین میں تحریفات روا رکھی تھیں، ایک جنگ میں فارس کو روم پر جزیرہ میں فتح حاصل ہوئی، مشرکین قریش اس پر بہت مسرور ہوئے کیونکہ فارس اسلام کے سخت دشمن تھے اور مشرک بھی تھے، مسلمانوں کو فارس کی یہ کامیابی اچھی نہیں لگی، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ پیشین گوئی کی۔

الٓمّٓ، غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی	الٓمّ، رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب
الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ	ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد
سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۔	چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے۔
لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ	اللہ ہی کا اختیار پہلے بھی تھا اور بعد کو
وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ	بھی، اور وہ دن وہ ہوگا کہ اللہ کی
بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ	بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ وَعْدَ اللّٰهِ	اللہ نصرت عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔
لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ	اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ يَعْلَمُوْنَ	اللہ کا وعدہ ہے، اللہ کبھی وعدہ کی
ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ	خلاف ورزی نہیں کرتا مگر اکثر لوگ
عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۔	جانتے نہیں ہیں، لوگ دنیاوی زندگی
(روم: ۱-۷)	کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت
	سے غافل ہیں۔

یہ پیشین گوئی حرف بحرف ثابت ہوئی، سب کو یہ قصہ معلوم ہے کہ صدیقوں کے سردار افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابوبکر صدیقؓ نے تصدیق قول الٰہی ورسول پاکؐ، ابی بن خلف سے اس بات پر شرط باندھی کیونکہ ابی بن خلف نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا کبھی

یہ نہیں ہو سکتا کہ روم فارس پر غالب آجائیں، یہ شرط نو اونٹوں کی تھی اور تین سال کی تھی، جب حضور رسالتمآبؐ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا بضع کے معنی تین سال سے زیادہ کے ہیں، الغرض حضرت ابوبکرؓ نے مدت بڑھوائی اور شرط میں مزید اونٹ بھی بڑھوائے، ایک روایت میں ہے کہ حضور پاکؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے سات سال کی مدت بتائی اور یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، تاریخ اس پر دلالت کرتی ہے۔

غزوۂ بدر میں فتح مسلمانوں کو رومیوں کی فتح سے خوشی کا ہونا کوئی اہم بات نہیں تھی، اس لیے ان آیات میں جو دوسری پیشین گوئی تھی جب وہ پوری ہوئی تو مسلمان فرحاں وشاداں تھے، جس دن غلبۂ روم ہوا اسی دن مسلمانوں کو غزوۂ بدر میں مشرکین پر فتح حاصل ہوئی، غزوۂ بدر تمام آیندہ فتوحات کا پیش خیمہ اور دعوت اسلام کے ظاہر وغالب ہونے کا عظیم وسیلہ بنا، اس لیے خوشی ومسرت کا جشن اس دن کیسے نہ ہوتا؟

سورۂ روم مکی ہے اس میں کیے ہوئے وعدہ ہائے نصرت وفتح تمام اور سورتوں میں کیے ہوئے وعدوں کی طرح پورے ہو کر رہیں گے، سورہ کے آخر میں حضور پاکؐ سے خطاب ہے کہ کفار کی ایذا رسانیوں اور استہزاء پر صبر کرو۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا
يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ۔
(روم : ۶۰)

صبر کرو، اللہ کا وعدہ یقیناً سچ ہے
اور ہرگز ہلکا نہ پا دیں تم کو وہ لوگ جو
یقین نہیں کرتے۔

مرتدین کے خاتمہ کے لیے محبوبِ خدا گروہ کی آمد فتح مکہ اور فتحِ طائف کے بعد اسلام جزیرۂ عرب میں سیلِ رواں کی طرح پھیل گیا، قبائل کے وفود آرہے تھے اور کوئی اسلام اور رسولِ اسلامؐ سے مخالفت کی ہمت نہیں کر سکتا تھا، اس وقت خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ اطلاع

دی کہ مرتدین کا ظہور ہوگا اور اس کی ابتدا حضورؐ کے زمانہ ہی میں ہوئی اور مسیلمہ نے آپؐ کو اپنی نبوت کا خط لکھا جس میں آپ کے نبی ہونے کا اقرار بھی کیا، خط کے جواب میں آپ نے اس کو "کذاب" لکھا، کیونکہ حضورؐ کے بعد کسی نبوت کے آنے کا امکان بھی کذب وافترا اور ارتداد کا موجب ہے۔ ارتداد کی شدت اس وقت ہوئی جب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بعد مسیلمہ کذاب، سجاح الاسود العنسی نیز معطلین شریعت کے گروہوں نے علم بغاوت بلند کیا اور اسلام کی تعلیمات سے روگردانی کا برملا اظہار ہوا، حضرت ابوبکرؓ جیسے بظاہر نرم مزاج اور صلح جو انسان نے اس موقع پر بلا جھجک ان سب سے جہاد کیا اور فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کیا، اس تمہید کے بعد قرآنی بشارت ملاحظہ ہو:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ
مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي
اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ
اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ
لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے
مرتد ہو گیا (اپنے دین سے پھر گیا) تو
اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جو اس کے
محبوب ہوں گے اور انہیں اللہ محبوب
ہوگا، مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت
ہوں گے (یعنی دین کے معاملہ میں کوئی
سودا نہ کریں گے، نہ خوف کھائیں گے)
راہ خدا میں جہاد کریں گے، ملامت
کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے
یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا
ہے اور اللہ وسیع (ذرائع) کا مالک

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ
رٰكِعُوْنَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ

(المائدہ : ۵۴-۵۶)

اور محیط، علم والا ہے تمہارا رفیق و
ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور
وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں
زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے روبرو
جھکنے والے ہیں، اور جو اللہ اور اسکے
رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے
اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی
غالب ہونے والی ہے۔

ان آیتوں میں مسلمانوں کے لیے متعدد امور قابل غور ہیں، خاص طور پر ان میں حضرت ابوبکرؓ اور اسلامی امت کی مدح و توقیر ہے جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ کا ساتھ دیا اور مرتدین پر غلبہ حاصل کیا اور اس کے مقابل جو گروہ حضرت ابوبکرؓ کو اپنی ملامت اور دیرینہ بغض کا ہدف بناتا ہے، اس کو اگر رجوع الی الحق کی طلب ہو تو اس کے لیے بھی یہ آیات واضح اور روشن دلائل وحجت فراہم کرتی ہیں لیکن اس موضوع کی تفصیل سے ہم یہاں گریز کرتے ہوئے چند نکات کی طرف صرف اشارہ کرتے ہیں۔ آیات میں

۱:۔ دین سے مرتد ہونے والے کی اطلاع ہے اور یہ واقعہ ظاہر ہوا۔

۲:۔ اس مرتد گروہ کو مغلوب کرنے اور کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے ایک قوم اور گروہ اٹھایا جائے گا، اس کی صفات یہ ہوں گی۔ سب سے اہم صفت یہ کہ "اللہ ان سے محبت کرتا ہوگا وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے"۔

۳۔ مومنوں کے لیے نرم ہوں گے، کفار کے لیے سخت ہوں گے۔

۴:۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔

۵:۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے اور نہ اس کی پرواہ کریں گے۔

۶:۔ یہ محض اللہ کے فضل سے ہوگا۔

۷:۔ ان کی ولایت اللہ، اس کے رسول اور مومنین سے ہوگی یعنی کفار و منافقین و مرتدین سے نہ ہوگی۔

۸:۔ وہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ کو ادا کریں گے۔

۹:۔ اور وہی گروہ غالب و فتح مند ہوگا۔

حضور پاکؐ کے وصال کے بعد مومن گروہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پیروی میں ابھرا اور مرتد گروہ سے اس نے جہاد و قتال کیا، نص قرآنی کی رو سے یہ جہاد فی سبیل اللہ تھا، ملک گیری کی لڑائی نہیں تھی، خاص طور سے حضرت ابوبکرؓ کی نرمی مومنین پر ایک مسلم الثبوت بات تھی، لیکن مرتدین سے جہاد کے سلسلے میں آپ سخت تھے اور کسی ایسے مشورہ کو آپ نے قبول نہیں کیا جس سے ان کے خلاف جہاد نہ کرنے کا جواز ملتا ہو، اس طرح آپ نے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو قبول نہیں کیا، نماز قائم کی اور مانعین زکوٰۃ کو زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور کیا اور حقیقت حال و تاریخ کی شہادت سے یہی گروہ غالب اور فتح مند ہوا، مرتدین کی سرکوبی ہوئی، عام لوگوں نے توبہ کی اور مکمل اسلام میں داخل ہوئے، ان کوششوں کے ذریعے انہوں نے اللہ سے محبت کے وعدہ کو پورا کر دکھایا اور سب سے بڑی سرفرازی اور کامیابی تو یہ کہ وہ اللہ کی محبت و رضا کے مستحق ٹھہرے۔

حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے معاون خلفائے ثلاثہ و مہاجرین و انصار اگر آیت کا مصداق نہیں ہیں تو پھر آخر اس کا مصداق کون ہے؟ نص قرآنی کی رو سے ایسے گروہ کا

ظاہر ہونا ضروری تھا جو مرتدین کے خلاف جنگ کرتا۔

اور اگر خدانخواستہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور مہاجرین وانصار ہی مرتد ہو گئے تھے تو نص قرآنی کی رو سے کونسا وہ گروہ پردۂ ہستی پر نمودار ہوا جس نے ان کے خلاف جہاد کیا، ان کو شکست دی اور خود غالب و فتح مند ہوا؟

پس جب ایسا کوئی گروہ نہ دنیا کے پردے پر اور نہ تاریخ میں نمودار ہوا تو اب اس کے سوا عقلی علمی و شرعی و تاریخی طور سے کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ اس عظیم پیشین گوئی کا مصداق صدیقوں کے سردار اور صدیقوں کا وہ پاک باطن گروہ ہی تھا جو صدیق اکبرؓ کے ساتھ تھا۔

یہ آیت حقانیت قرآن و رسالت کی بہت بڑی دلیل اور صدیقیت صدیقؓ کی واضح حجت ہے اور ان کی اللہ سے محبت اور اللہ کی ان سے محبت و رضا کی واضح نشانی ہے۔

پیشین گوئیوں کے مختصر اشارے اب ہم بعض ان واقعات کی طرف صرف اشارہ کرتے ہیں جو آپ نے آیندہ کے متعلق فرمائے اور وہ واقع ہوئے۔

آپ نے تمام لوگوں کو خدا کی طرف سے یہ چیلنج دیا کہ "تمہارا جو جی چاہے کرو، تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"۔ (ہود: ۵۵)

آپ نے فرمایا کہ یہ دین چاردانگ عالم میں غالب ہو کر رہے گا"۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ ارسال فرمایا تاکہ اس دین کو پوری جنس دین پر غالب کر دے"۔ (فتح: ۲۸)

ڈنکے کی چوٹ پر آپ نے تمام باطل ادیان و نظریات اور قریش کے من گھڑت معتقدات کو باطل اور فریب سے تعبیر کیا اور اسلام کے متعلق فرمایا "حق آگیا اور باطل کی روح نکل گئی، باطل کی روح نکلنی ہی چاہیے"۔ (الاسراء: ۸۱)

اور ایسا ہی ہوا، اسلام غلبہ اور حجت و دلیل سے آپ کی زندگی میں جزیرۂ عرب میں اور خلفائے راشدین و خلفائے اسلام کے عہد میں اس وقت کی تمام دنیا پر غالب ہوا۔

واضح اعلان کیا گیا کہ "دشمنوں کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا جائے گا"۔ (انفال: ۱۲) اور بار بار اس کا ظہور ہوا "کفر و شرک کے لشکر شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے"۔ (القمر: ۴۵)

اور کفار کی مرضی کے خلاف "اللہ تعالیٰ اپنا نور (اسلام کی روشنی) پوری طرح ظاہر کر دیگا۔ (توبہ: ۳۲)

زبور داؤد کی پیشین گوئی پوری ہوگی "میرے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے"۔ (الانبیاء: ۱۰۵) اور جب تک مسلمان زمین کے لیے انسانیت کے لیے اور خدا کے احکام پر کامل زندگی گزارنے اور بندگی کی شرطوں کو پورا کرنے کے لائق رہے اور صلاح و خیر کے وارث رہے زمین ان کے ورثہ میں رہی۔

کفار و مشرکین کے مکر و فریب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں "تمہارا نگہبان اللہ ہے اس نے تمہاری حقیقی تائید اپنی مدد سے کی ہے اور مومنوں کو تمہارا مددگار بنایا گیا ہے"۔ (الانفال: ۶۲)

اور یہ حقیقت واقع ہو کر رہی سخت جان دشمنوں کے نرغے میں آپ رہے اور انکی کوئی سازش اور مکر و فریب آپ کو نقصان نہ پہنچا سکا اور خدا نے آپ کی مکمل نگرانی اور مدد کی اور سبب کے طور پر بعض اوقات فرشتوں کو ارسال کیا، کبھی ہوا اور قدرتی وسائل سے مدد کی اور عام طور سے مہاجرین وانصار کے برگزیدہ گروہ کو آپ کی معاونت کے لیے مقرر کیا، جنھوں نے اپنی جان اور اپنی دولت دین الٰہی کی نصرت و اشاعت اور

رسول اسلام کی مدافعت میں خرچ کی۔

آپ نے قبیلہ مضر پر قحط نازل ہونے کی بد دعا کی اور انہیں اس کی خبر دی، اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ بھوک سے نڈھال ہو گئے، آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، مفسرین نے صحیح قول یہی لکھا ہے کہ آیت قرآنی میں وارد دخان یعنی دھوئیں سے مراد یہی ہے۔ مشرکوں کی دعا اور فرمان الہٰی "کہتے ہیں پروردگار ہم پر سے یہ عذاب ٹال دے ہم ایمان لے آتے ہیں، ان کی غفلت کہاں دور ہوتی ہے، ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کے پاس رسول امین آگیا، پھر بھی اس کی طرف ملتفت نہیں ہوئے اور کہا کہ یہ سکھایا پڑھایا باؤلا ہے"۔ (دخان: ۱۲-۱۳) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہو چکا ہے، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب یہ ہوگا، بہر دو صورت یہ ہو چکا ہے یا ہوگا، یا یہ بھی ممکن ہے کہ ہو چکا ہو اور دوبارہ بھی ہو۔

"یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى" (دخان: ۱۶) جس دن ہم بڑی ضرب لگائیں گے (پکڑ کریں گے) وہ دن ہوگا جب ہم تم سے انتقام لیں گے، اس سے قیامت کا دن بھی مراد ہے اور مفسرین کے خیال میں یہ بدر کے دن کے عذاب کی پیشین گوئی ہے۔ جس دن ستر قریش کے اکابر قتل ہوئے، کفر کا چراغ مدھم ہوا اور اسلام کے نشر و اشاعت اور اظہار دین کا دروازہ کھلا۔

آیت قرآنی "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ" (قصص: ۸۵) کی تفسیر یہ ہے کہ وہ خدا جس نے تم پر قرآن نازل کیا ہے تمہیں معاد یعنی بہترین انجام تک پہنچائے گا۔ یعنی تم پر اس قرآن کو پھیلانے کی ذمہ داری ہے، ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ تمہیں دوبارہ اپنے معاد یعنی جس جگہ سے آئے ہو یعنی مکہ واپس لے جائیگا۔

فتح مکہ اس بشارت کی تعبیر ہے۔

عثمان بن ابی طلحہ سے آپ نے مکہ میں کہا تھا "وہ دن یاد کرو جب کعبہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی" اور ایسا ہی ہوا، آپ نے کمال شفقت و رحمت و عدل کے پیش نظر پھر مفتاح کعبہ عثمان ابن ابی طلحہ ہی کو واپس کر دی، مظلوموں کو جب قتال کی اجازت دی گئی تو فتح و ظفر کی بشارت بھی ساتھ دی گئی (حج: ۳۹-۴۰) اور یہ فتح نصیب ہوئی۔

غزوہ احزاب کی پریشانیاں ایسی تھیں کہ قرآن نے اس کی بلیغانہ تصویر کشی کی ہے۔ دل حلق تک آگئے تھے، خوف و ہراس کا عجیب عالم تھا، دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا، مدینہ شریف میں رہنا دوبھر ہو رہا تھا، اس یاس آمیز ماحول میں آپ نے دنیا کے بہت سے علاقوں کے فتح ہونے کی بشارت دی جو پوری ہوئی۔

اس کے علاوہ متعدد مواقع پر آپ نے فارس و شام، مصر و ہندوستان اور قسطنطنیہ کے فتح کرنے کی پیشین گوئیاں فرمائیں جو حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔

اس تمام تفصیل کے بعد کوئی منصف کیا اس بات میں ادنیٰ شک کر سکتا ہے کہ بشارت انجیلی میں جس نبی برحق کا یہ تذکرہ کیا گیا ہے کہ "وہ تم کو آیندہ کے متعلق خبریں دیگا" وہ حضور پر نور، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین والمرسلین محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔

(حاشیہ ص ۱۹۹) **معارف**: لہ دلائل النبوۃ لابی نعیم میں ہے کہ آپ نے اُن کے سر کی طرف اشارہ کیا تو وہ پیپ سے بھر گیا اور اس میں حارث ہلاک ہوا اور مچھلی کھا کر مرنے والے کا نام حارث بن قیس سہمی بتایا ہے۔

(دیکھیے ص ۲۲۴-۲۲۵)

موجودہ یہودی عیسائی تعلقات

پس منظر اور اسباب

از جناب سید علیم اشرف جائسی۔ لیبیا

یہودی۔ عیسائی تعلقات تضاد کا ایک حیرت انگیز مرقع ہیں، یہ تعلقات اپنے دو ہزار سالہ تاریخ میں مختلف ادوار سے گزرے ہیں، ان کی ابتدا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور انکے پیروؤں پر یہودیوں کے ظلم و ستم سے ہوئی اور یہ سلسلہ تین صدیوں پر محیط ہے۔ عیسائی فکر کے تمام گوشے ان مظالم سے متاثر ہوئے، اور آج بھی عیسائیت کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے عیسائی افکار و عقائد پر ان مظالم کے اثرات ایک مستقل موضوع کی حیثیت رکھتے ہیں مگر جب چوتھی صدی کے آغاز ۳۱۲ء میں شہنشاہ روم قسطنطین نے عیسائیت قبول کر لیا تو ایک نئے دور کی شروعات ہوئی۔ بڑے پیمانے پر یہودی عیسائیوں کے انتقام کا شکار ہوئے اور رحم و محبت کے دعویداروں نے یہودیوں کے خلاف وحشت و بربریت کا کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا۔ اور یہ سلسلہ دوسری جنگ عظیم تک دراز رہا۔ اس درمیان ان تعلقات میں مختلف نشیب و فراز بھی آتے رہے اور مصلحتوں کی بنیاد پر ان میں نرمی اور تلخی بھی آتی رہی لیکن صلیبی جنگوں (اواخر بارہویں صدی) تک ان پر دشمنی اور عداوت کا نمایاں رنگ غالب رہا۔۔۔ مگر صلیبی جنگوں کے بعد فکری اور عملی دونوں حیثیت سے ان میں جو عظیم تبدیلیاں آئیں اور یہ کارنامہ یہودیوں کی عالمی تنظیم "صہیونی تحریک" نے انجام دیا۔

زیر نظر مضمون انہیں تبدیل شدہ تعلقات اور ان کے اسباب و علل کا ایک جائزہ ہے۔

(۱)

۱۔ یہودی کے لیے عیسائی سے جھوٹ بولنا یا اسے پھنسانے کے لیے جھوٹی گواہی دینا جائز ہے اور عیسائی کے خلاف جھوٹ بولنے سے رب کا نام ناپاک نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی توہین ہوتی ہے" (BABA KAMA 113A. 1136

۲۔ "یہودی کو ہمیشہ عیسائی کے ساتھ جنابت کی کوشش کرتے رہنا چاہیے"۔

(ZOHRI I 160A

۳۔ "عیسائیوں کے ساتھ جو نیکی کرے گا وہ اپنے قبر سے کبھی نہ اٹھ سکے گا"۔

(ZOHRI I .1256)

"۔۔۔۔ اب آئیے میں آپ حضرات سے بیان کروں کہ ہم نے کیتھولک چرچ کی بنیاد ڈھانے کے لیے کیا کیا، بعض پادریوں کو ورغلا کر انہیں اپنا ہمنوا بنا لیا تاکہ وہ ہماری تحریک (صہیونی) کے لیے کام کریں۔ انہیں یہ واضح تعلیمات دی گئیں کہ وہ ہوشیاری اور تیزی کے ساتھ کلیسا کو اندر سے تباہ و برباد کرنے کی کوشش کریں، انہیں اس کے خلاف اسکینڈلز تیار کرنے کا حکم دیا گیا اور اس طرح ہم نے شہنشاہ یہود کی بعض نصیحتوں پر عمل کرنے کی کوشش کی کہ"۔۔۔ اپنے بعض اولاد کو پادری بناؤ تاکہ وہ کلیساؤں میں تخریب کاری کر سکیں۔۔۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ تمام یہودیوں نے اس نصیحت کو پورا کرنے میں اخلاص سے کام نہیں لیا۔۔۔"

"ہم روئے زمین پر پیش آنے والے تمام انقلابات کے محرک ہیں حتی کہ وہ انقلابات بھی جن کے ہم خود ہی شکار ہوئے۔۔۔۔ ہم نے عیسائیوں میں دینی اصلاحی تحریکات کو پیدا کیا۔

کالون (CALVIN) اصلاً یہودی اور ہماری اولاد میں سے تھا... خود مارٹن لوتھر (MARTIN LUTHER) بھی غیر شعوری طور پر اپنے یہودی دوستوں کے زیر اثر تھا..."

"صہیونی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہم پروٹسٹنٹ حضرات کے شکر گذار ہیں، اگرچہ ان میں سے اکثر اپنے عقیدے کے ساتھ مخلص تھے مگر انہیں ہمارے لیے اپنی غیر شعوری خدمات کا احساس نہیں تھا.... یہاں تک کہ ہم اپنی خواہشات کے مطابق یوروپ کی بیشتر حکومتوں کا تختہ پلٹنے میں کامیاب ہوئے، روس ہمارے متعین کردہ راستوں پر چل رہا ہے، فرانس کی فری میسن حکومت ہمارے چنگل میں ہے، برطانیہ ہماری سرمایہ کاری کے طفیل ہمارے قدموں میں ہے، پروٹسٹنٹ برطانیہ کیتھولک کلیساؤں کو تباہ کرنے کے لیے ہمارے لیے کدال جیسا ہے.....

ہم اپنے پروگرام کی تقویت کے لیے دوسری قوموں کے اخلاق کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، عوام میں انقلابات کی آگ لگاتے ہیں، لوگوں کے دلوں میں قوم وملت کے لیے حقارت کے جذبات ابھارتے ہیں، خاندانی وحدت سے نفرت پیدا کرتے ہیں اور مذہب کے بارے میں یہ تصور ذہنوں میں ابھارتے ہیں کہ یہ ایک لایعنی شئے اور تضیع اوقات کا سبب ہے اور دین ایک ایسا مسئلہ ہے جسے زمانے نے بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے اور وہ عصر کی ضرورتوں کا ساتھ نہیں دے سکتا ہے.....

ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارا بادشاہ یہود جس کا ہمیں انتظار ہے، وہ دنیا کی موجودہ صورت حال سے کبھی بھی راضی نہ ہوگا جب تک کہ پاپائے روم کو اس کی کرسی سے اتار نہ جائے اور دنیا کے تمام حکمرانوں کو معزول نہ کر دیا جائے..." (پیرس میں منعقد عالمی صہیونی کانفرنس کے تقاریر سے مقتبس۔ معمولی حذف وتغییر کے ساتھ۔

"کیتھولک گزٹ" فروری سنہ ۱۹۳۶ء)

۱۔ "(یہودیوں کی کتاب) تلمود کفر والحاد اور کمینگی پر مشتمل ہے۔" (اعلان پاپا گریگوری سنہ ۱۲۴۳ء)

۲۔ "یہودی دنیا کی تمام قوموں کے لیے عموماً اور عیسائی قوم کے لیے خصوصاً ایک بڑا خطرہ ہیں۔" (رسالہ "سیویلٹا کیتھولیکا"، وٹیکن)

۳۔ "وہی طاقت جس نے ۱۹۰۰ سو برس قبل مسیح کو صلیب دیا تھا، آج کلیسا کو صلیب پر چڑھانے کے لیے کوشاں ہے..." (پادری جیرالڈ، ب، ونیرووڈ، "عیسائیت کے خلاف یہودی سازش" ص ۷)

۴۔ "یہودیوں کی کتابوں کی صفحات گردانی نے مجھے تھکا دیا مگر ان میں ایک بھی ایسی عبارت نہ مل سکی جو مسیح کے لیے انسانی احترام پر مبنی ہو... جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قرآن میں ایسی بے شمار عبارتیں موجود ہیں جو ذات مسیح کے لیے حد درجہ احترام کی حامل ہیں..."

"اسپینی یہودی موشے ڈولیون اپنی کتاب (شائع شدہ ۱۸۸۰) میں یسوع مسیح کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ "مردار کتا ہیں" اور "نجاست کے ڈھیر میں دفن ہیں" (نعوذ باللہ) تلمود کے غیر عبرانی نسخوں سے وہ القاب واوصاف حذف کر دیئے گئے جن کے ذریعے یہودی مسیح کو یاد کرتے ہیں، جیسے: مجنون، جادوگر، کُتا، ولد الزنا، بت پرست اور ولد الشہوت وغیرہ، ایسے ہی القاب انہوں نے مسیح کی والدہ مریم عذراء کے لیے بھی بنا رکھے ہیں..." (ہیوسٹن اسٹوارٹ چیمبرلین: انیسویں صدی کی بنیادیں ۱: ۳۳۰)

(۲)

۱۴۵۳ء۔ ترکی مسلمانوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ کا سقوط۔

۱۴۹۲ء۔ امریکہ کی دریافت، سقوط غرناطہ، اندلس کے یہودیوں کی یوروپ کی

طرف ہجرت۔

۱۵۲۳۔ یوروپ میں اصلاحی تحریک کا آغاز، مارٹن لوتھر کی مشہور کتاب "عیسیٰ یہودی پیدا ہوئے" کی اشاعت ....

۱۵۴۴۔ "یہودی اور ان کی دروغ گوئیوں کے متعلق" مارٹن لوتھر کی دوسری کتاب کی اشاعت۔

۱۵۶۵۔ بلجیم اور ہالینڈ میں کیتھولکزم کے خلاف پروٹسٹنٹ انقلاب۔

۱۵۸۱۔ یہودیوں کی مذمت میں پاپا گریگوری سوئم کا فرمان۔

۱۶۰۹۔ ہالینڈ میں کیتھولک فوجوں کو شکست کا سامنا اور وہاں "کالوینین پروٹسٹنٹزم" (CALYINIAN PROTESTANTISM) کے اصولوں پر جمہوریت کا قیام۔

۱۶۴۹۔ گوانا اور کارٹرائٹ نام کے دو بڑے پادریوں نے حکومت انگلینڈ سے مطالبہ کیا کہ انگلینڈ اور ہالینڈ کے عوام کو یہ شرف ملنا چاہیے کہ وہ یہودیوں کو سرزمین فلسطین میں آباد کرائیں، جسے خدا نے یہودیوں کو ابدی میراث کے طور پر عطا کیا ہے اور جو ان کے آباواجداد: ابراہیم واسحاق ویعقوب کی سرزمین ہے۔

۱۶۵۵۔ اولیور کرومویل نے اس مطالبے کا استقبال کیا اور کنگ ایڈورڈ کے یہودی مخالف قوانین کو کالعدم قرار دے دیا۔

۱۶۲۲۔ بادشاہ انگلینڈ کے قانونی مشیر نے فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے لیے ایک نئی صلیبی جنگ کی دعوت دی۔

۱۷۰۰۔ فیلپ جنٹل نے خلیفہ عثمانی سے مذاکرات کے ذریعے یہودیوں کے لیے ردم

کے بدلے میں بیت المقدس کے مطالبے کا نظریہ پیش کیا۔

۱۷۹۹۔ نپولین نے بیت المقدس میں یہودی ریاست کے قیام کے لیے دنیا بھر کے یہودیوں سے اپنی حمایت کا مطالبہ کیا۔

۱۸۱۸۔ امریکی صدر جان آدمز نے فلسطین میں یہودی حکومت کے قیام کی حمایت کی۔

۱۸۳۸۔ بیت المقدس میں پہلے برطانوی کونسل کا افتتاح اور ایک پادری کا نائب کونسلر کی حیثیت سے تعین۔

۱۸۳۹۔ لورڈ کوپر کے ایک بیان کی اشاعت جس میں اس نے یہودیوں کو عیسائیت کی امید کا مرکز اور مسیح منتظر کی واپسی کا باعث قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہودیوں کی فلسطین واپسی مشیت الٰہی ہے جس کی تکمیل پر انسان قادر ہے۔

۱۸۴۰۔ برطانوی وزیر خارجہ نے ترکی میں اپنے سفیر کو ہدایت جاری کی کہ وہ ترکی کے سلطان کو اس بات پر راضی کرے کہ وہ یہودیوں کو مشرقی یوروپ سے فلسطین ہجرت کرنے کی اجازت دے دیں۔

۱۸۴۰۔ یہودیوں کو فلسطین میں آباد کرنے کے لیے ایک کانفرنس کا انعقاد جس میں "بغیر قوم کی زمین (فلسطین) برائے بغیر زمین کی قوم (یہود)" کا نعرہ دیا گیا۔

۱۸۴۴۔ برطانوی پارلیمنٹ نے فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی۔

۱۸۶۵۔ ملکہ وکٹوریہ اور کانٹربری چرچ کے سربراہ کی مشترکہ قیادت میں یہودیوں کی مجوزہ ریاست کے لیے ایک فنڈ کا قیام۔

۱۸۷۸۔ پادری ولیم بلیک اسٹون کی کتاب "آمد عیسیٰ" کی اشاعت، کتاب کا ترجمہ

دنیا کی چالیس زبانوں میں کیا گیا اور یہ پوری صدی میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب تھی۔

۱۸۸۰۔ برطانوی وزیر خارجہ لورنس اولیونٹ نے بحیرۂ روم اور دریائے اردن کے درمیان ایک یہودی ہوم لینڈ کے قیام کی تجویز پیش کی۔

۱۸۸۱۔ زار روس الیگزنڈر دوئم کے قتل کے بعد یہودیوں پر مظالم کا سلسلہ اور نتیجے میں روس سے بڑے پیمانے پر یہودیوں کی ہجرت۔

۱۸۸۲۔ یہودیوں کو ہجرت کی آسانی فراہم کرنے کے لیے سلطان عبدالحمید کو راضی کرنے کی کوشش۔ "یہودی مسئلہ" کے حل کے لیے عیسائی مذہبی رہنماؤں کی کانفرنس۔

۱۸۸۸۔ "بے قوم وطن برائے بے وطن قوم" کے نعرے کے ساتھ بلیک اسٹون فلسطین کا دورہ

۱۸۹۱۔ پادری بلیک اسٹون نے امریکی صدر بنیامین کو ایک یادداشت پیش کی۔ جس میں فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کے ذریعے یہودیوں کے آلام ومصائب پر مرہم رکھنے کا مطالبہ کیا اور اس میں معاہدۂ برلین کا حوالہ دیا گیا جس کے بموجب فلسطین یہودیوں کے لیے طے کیا گیا تھا۔

۱۸۹۶۔ کتاب "یہودی ریاست" کی اشاعت۔

۱۸۹۷۔ سوئزرلینڈ میں پہلی عالمی صہیونی کانفرنس کا انعقاد۔

۱۹۰۳۔ صحرائے سینا میں یہودی آبادکاری کی تجویز سے صہیونی تحریک کا انکار۔

۱۹۰۴۔ برطانوی وزیر اعظم لائڈ جارج اور وزیر خارجہ آرتھر جیمس بلفور سے صہیونی تنظیم کی ملاقات۔

۱۹۱۶۔ سلطنت عثمانیہ کی آپس میں تقسیم کے لیے معاہدہ "سائکس-بیکو"

۱۹۱۷۔ وزیر خارجہ بلفور کا یہودیوں سے فلسطین میں ان کے لیے ایک قومی حکومت کے قیام کا مشہور وعدہ۔

۱۹۲۲۔ رابطہ اقوام (LEAGUE OF NATIONS) نے فلسطین پر برطانوی بالادستی کو قبول کیا۔ امریکی کانگریس کی طرف سے فلسطین پر یہودیوں کے حق کا اقرار اور امریکی حکومت کی جانب سے "وعدۂ بلفور" کی تائید۔ فلسطین میں یہودی ریاست کی تجویز کے خلاف وٹیکن کی طرف سے رابطۂ اقوام کے نام میمورنڈم۔

۱۹۳۰۔ فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک تنظیم "امریکن یونین برائے فلسطین" کا قیام۔

۱۹۳۶۔ "امریکن کرسچین کانگریس" کی جانب سے دنیا کی تمام مہذب قوموں سے، یوروپ خاص کر جرمنی سے فرار ہونے والے یہودیوں کو ان کے "فطری ٹھکانے" فلسطین پہنچانے میں امداد وتعاون کا مطالبہ۔

۱۹۴۳۔ برموڈا کانفرنس کا انعقاد جس میں امریکی صدر روزولٹ کی جانب سے یہودیوں کے لیے فلسطین کے تمام راستے کھولنے پر زور۔ وٹیکن کی طرف سے امریکی حکومت کو ایک یادداشت جس میں یہودی ریاست کے قیام کی مخالفت کی گئی۔

۱۹۴۴۔ محدود پیمانے پر یہودیوں کی فلسطین کی ہجرت کی برطانوی تجویز پر امریکہ کی ناپسندیدگی اور اسے غیر محدود رکھنے کا مطالبہ۔ صہیونی مطالبات کے آگے مصری جھکاؤ کے خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے وٹیکن کے ایک وفد کی امریکہ روانگی۔

۱۹۴۵۔ صہیونیت کی مکمل حمایت کے اعلان کے ساتھ ہیری ٹرومین کی امریکی انتخاب

میں شرکت۔

۱۹۴۷ء - ٹرومین نے فلسطین میں یہودی اکثریت کے حصول کی کوشش کا مطالبہ کیا۔ مسئلہ فلسطین اقوام متحدہ کے سپرد۔ اقوام متحدہ کی طرف سے تقسیم فلسطین کی قرارداد، ۳۳ ممبروں نے حمایت کی، ۱۳ ممبروں نے مخالفت کی جبکہ ۱۵ نے ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا۔

۱۹۴۸ء - اسرائیل کے نام سے فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام اور ریاستہائے متحدہ اور سوویت یونین کا فوری اعتراف۔ اسرائیل کو ۱۵ کروڑ ڈالر کی امریکی امداد۔

۱۹۴۹ء - اسرائیل کو ۱۵ کروڑ ڈالر کا ایک اور امریکی قرضہ۔ ایلات کے پاس خلیج عقبہ کے بعض علاقوں پر اسرائیل کا جارحانہ قبضہ۔

۱۹۵۰ء - مشرق وسطیٰ سے متعلق امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی مشترکہ پالیسی کا اعلان۔

۱۹۵۴ء - عرب ملکوں کو اسلحے کی فروخت کے لیے امریکہ کی سخت شرائط۔

۱۹۵۶ء - نہر سویز کے قومیائے جانے پر برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کا مصر پر حملہ۔

۱۹۶۷ء - مصر، شام اور اردن پر اسرائیلی حملہ، صحرائے سینا، غزہ کی پٹی، مغربی کنارہ، گولان کی پہاڑیاں اور قبلہ اول پر یہودی قبضہ

۱۹۶۹ء - امریکی جہازوں سے فلسطینی پناہ گزینوں کے کیمپ پر اسرائیلی بمباری۔ مسجد اقصیٰ کو جلانے کی کوشش۔

۱۹۷۳ء - جنگ رمضان، مصر کی اسرائیل پر واضح برتری۔

۱۹۷۵ء - اقوام متحدہ میں صہیونیت کے نسل پرست ہونے کی قرارداد۔

۱۹۷۶ء - جمی کارٹر کا بیان کہ "جدید اسرائیلی حکومت بائبل کی پیشین گوئی کی تکمیل ہے"۔

۱۹۷۷ء جنگ رمضان میں مصری طاقت اور عرب اتحاد کے زبردست مظاہرے کے پیش نظر

مصر کو عربوں سے الگ تھلگ کر دینے کی مغربی سازشیں۔ سادات کا دورہ اسرائیل۔

۱۹۷۸ء - معاہدہ کیمپ ڈیوڈ۔ جنوبی لبنان میں اسرائیلی دراندازی۔

۱۹۷۹ء - مصر و اسرائیل کے درمیان معاہدہ امن۔ جمی کارٹر کا اسرائیلی کینیسٹ (قومی اسمبلی) میں بیان کہ امریکہ و اسرائیل توریت کی میراث کے باہم حصہ دار ہیں"۔

۱۹۸۰ء - مشرقی بیت المقدس کا اسرائیل میں انضمام۔ اسرائیلی حکومت کا بیان کہ بیت المقدس اسرائیل کی ابدی راجدھانی ہے۔

۱۹۸۱ء - مغربی امداد سے عراقی ایٹمی ریکٹر پر اسرائیلی جہازوں کی بمباری۔

۱۹۸۲ء - پورے لبنان میں اسرائیلی فوجوں کا داخلہ۔ صبرا اور شاتیلا کے فلسطینی کیمپوں پر اسرائیل کی انسانیت سوز بمباری۔

۱۹۸۳ء - یہودیوں کے بارے میں مارٹن لوتھر کے سخت بیانات سے لوتھرین فرقے کے عیسائیوں کی عالمی یونین کا اعلان برأت۔

۱۹۸۴ء - ریگن کا اپنے اس یقین کا اعتراف کہ "نجات دہندہ مسیح کی دوبارہ آمد اور دنیا کے آخری معرکے میں اسرائیل کا بنیادی کردار ہوگا۔

۱۹۸۵ء - اتھیوپیا کے یہودیوں (فلاشاز) اسرائیل کی منتقلی۔ عیسائی صہیونی مشترکہ کانفرنس کا سوئزرلینڈ میں انعقاد، دنیا کے ۲۷ ملکوں سے ۶۰۰ مسیحی مندوبین کی شرکت۔

۱۹۸۷ء فلسطین میں "انتفاضہ تحریک" کا آغاز۔

۱۹۸۸ء مغربی دباؤ اور عربوں کے انتشار کے نتیجے میں تنظیم آزادی فلسطین کی طرف سے پہلی بار اسرائیل کے حق وجود کا اعتراف۔ گورباچوف کا انتخاب اور ماسکو میں یہودی ثقافتی مرکز کا افتتاح

۱۹۸۹۔ امریکی اعتراف کہ اسرائیل بڑے پیمانے پر ایٹمی ہتھیار رکھتا ہے۔

۱۹۹۰۔ ہزاروں ہزار روسی یہودیوں کی اسرائیل ہجرت (محمد السماک کی کتاب "انجیلی بنیاد پرستی" سے ماخوذ و ملخص)

اس قدر گہرے مذہبی اختلافات اور باہم ایک دوسرے کے خلاف اتنے نفرت انگیز جذبات رکھنے کے باوجود اور اس ناقابل تردید تاریخی شہادت کی موجودگی میں کہ یہودیوں نے ہمیشہ عیسائیوں کے خلاف سازشیں کیں اور ان کی صفوں میں تفرقہ کے بیج بوئے، ان میں باہم خونریزیاں کرائیں، ان کے ملکوں میں انقلابات برپا کیے اور ان کے اقتصاد و معاش کو کھوکھلا کرنے کی کوششیں کیں مگر ان سب کے باوجود آخر وہ کیا اسباب ہیں جنھوں نے ہر دور میں عیسائی عوام و خواص کی صفوں میں سے ایک بڑی تعداد کو صہیونی اور یہودی مقاصد کے لیے اتنی شد و مد کے ساتھ کام کرنے پر مجبور کیا اور یک طرفہ طور پر انہیں یہودیوں کا آلۂ کار بنائے رکھا۔

شاید مذاہب کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ انوکھا واقعہ ہے کہ عیسائیت نے اپنے عقیدے کے مطابق مسیح کو صلیب دینے والوں اور انہیں معاذ اللہ ولد الزنا ماننے والوں کا آلۂ کار بننا پسند کیا۔

یہودی ہوم لینڈ کی تجویز سے لے کر وعدۂ بلفور تک، وعدۂ بلفور سے قیام اسرائیل تک اور اسرائیل کے قیام سے لے کر خلیج کی جنگ تک یہودیوں کے لیے عیسائیوں کی اتنی طویل اور پُرجوش خدمات کا راز کیا ہے۔

دراصل یہودی۔عیسائی تعلقات میں اس حیرت انگیز تبدیلی بلکہ عیسائیوں کی جانب سے اس یک طرفہ تبدیلی کے اسباب دو قسم کے ہیں۔

پہلے قسم کے اسباب میں وہ اساطیری روایتیں ہیں جنھیں صیہونیت نے کمال ہوشیاری سے عیسائی کتابوں میں داخل کر دیا اور انہیں عیسائی عقیدے کا جزء بنا دیا، یہ روایتیں تین محوروں کے گرد گھومتی ہیں۔

۱۔ یہودی قوم اللہ کی پسندیدہ اور محبوب قوم ہے۔

۲۔ ایک خدائی میثاق کا تصور جس کے مطابق بنو صہیون (یہودی) اور سرزمین فلسطین ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

۳۔ یہ عقیدہ کہ مسیح منتظر کی واپسی فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے بعد ہی ہوگی۔

دوسرے قسم کے اسباب نفسیاتی، تاریخی، سیاسی اور معاشی نوعیت کے ہیں۔ ان میں سے بعض اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صلیبی جنگوں میں (گیارہویں/ بارہویں صدی عیسوی) مسلسل اور پے در پے نو بار شکست دنیائے عیسائیت کے لیے ایک نفسیاتی عقدہ بن گئی تھی، عالم اسلام کے سینے میں اسرائیل کا خنجر گھونپ کر عیسائی یوروپ نے اپنے اسی نفسیاتی عقدے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، دراصل یہودی ریاست اپنی تجویز سے لے کر قیام تک کے تمام مراحل میں یوروپ کے لیے شعوری یا غیر شعوری طور پر دسویں صلیبی جنگ کے مانند تھی۔

۲۔ صنعتی انقلاب کے ساتھ پورا یوروپ یہودیوں کے سودی نظام میں جکڑا ہوا تھا، انکے لیے ایک ہوم لینڈ کے قیام کے ذریعہ یوروپ ان سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا جو اس کے جدید معاشی نظام کے استحکام اور بقا کے لیے بے حد ضروری تھا۔

۳۔ قومیتوں کی بنیاد پر تقسیم یوروپ کے جدید سیاسی نقشے میں یہودیوں کیلئے کوئی جگہ نہیں رہ گئی تھی۔

۴۔ یہودی ریاست کے قیام کے ذریعے عالم اسلام پر مغرب اپنا تسلط برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ عرب میں تیل کے چشمے نکلنے کے بعد یہ سبب اور بھی اہمیت اختیار کر گیا۔

اقبال کے اردو کلام میں قرآن سے ماخوذ چند اصطلاحات

از

جناب انعام الحق علمی۔ نائیجیریا۔

اقبال نے نہ جانے کس کیفیت میں کہا تھا ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب — گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

حقیقت بھی یہی ہے کہ اقبال کی فکر کی گرہ رازی اور زمخشری نے نہیں کھولی۔ بلکہ اسرار کتاب ان کے دل پر خود وا ہوتے گئے جو بتدریج ان کے اشعار میں ڈھلتے چلے گئے۔ ہماری مراد اقبال کی اس فکر سے ہے جو بالآخر ان کی شناخت بنی، ان کے تمام فکری ارتقا سے بحث نہیں ہے، اس لیے کہ زندگی کی طرح فکر کے سفر میں بھی ایسے مقامات آتے ہیں جہاں مسافر نظریات کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتا ہے اور ہر نئے موڑ کو منزل سمجھ لیتا ہے۔ جب گمانوں کا لشکر تشکیک و حیرت کی وادی سے گزرتا ہوا الیقین کی منزل تک پہنچ جاتا ہے تو یہی یقین اس کا سرمایہ اور شناخت بن جاتا ہے۔ اقبال کی فکر کا جو سفر

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے — قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

سے شروع ہوا تھا۔ تقریباً چار دہائیوں کے بعد

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت — ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

یا

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں — ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

پر ختم ہوتا ہے۔ گویا قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: ۵۳) سے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (المنافقون: ۹) تک پہنچنے میں چالیس سال کی مسافت طے کی۔

اقبال کی فکر پر اول و آخر اثر قرآن ہی کا تھا۔ قرآن عربی کا اور پھر قرآن در زبان پہلوی (مثنوی مولانا روم) کا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ خود اقبال ہی نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ رومی کے لیے خود تسلیم کرتے ہیں کہ ازو آموختہ اسرار جاں من۔ قرآن کی تلاوت اور فہم سے جو ذوق و شوق اقبال کو تھا وہ ان کے تذکروں میں محفوظ ہے اور ان کے فکر و ذہن پر قرآن کے اثر کا اندازہ ان سے ہو سکتا ہے۔ ان کے اس ذوق و شوق کو جلا ان کے والد بزرگوار کی ان نصیحتوں نے بخشی جو انھوں نے اقبال کو زمانۂ طالب علمی میں کی تھیں۔ اول تو یہ کہ قرآن ایسے پڑھا کرو گویا تم ہی مخاطب ہو اور دوئم یہ کہ اس پیغام کو عالم انسانیت تک پہنچانا ہے، اقبال نے ان نصیحتوں کو پورا کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ واقعہ تفصیل سے اقبال نے اپنے افغانستان کے سفر کے دوران علامہ سید سلیمان ندوی کو بتایا تھا۔

جس طرح کسی شخص کی گفتگو اس کے گھر یا گھرانے، دوست واحباب اور قریبی معاشرہ کو ظاہر کرتی ہے، اسی طرح کسی مصنف کی تحریر اس کی طرز فکر کا آئینہ دار ہوتی ہے۔ دینی ماحول اور مذہبی ذہن کے پروردہ اشخاص کی زبانوں پر قرآنی آیات اور احادیث کے اقتباسات ان کی گفتگو میں نمایاں ہوتے ہیں۔ ایک گندے معاشرے سے آئے ہوئے شخص کی زبان و گفتگو اس کے برعکس ہوگی۔ یہ ایک سہل مگر ٹھوس حقیقت ہے، عربی کی مثال كُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْهِ، اس کو اور واضح کر دیتی ہے، گویا مصنف کا اسلوب یا شاعر کا انداز بیان اس کی

طرزِ فکر ہی نہیں بلکہ طرزِ معاشرت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

اس کسوٹی پر اگر ہم اقبال کے اردو کلام کو پرکھیں تو دو حقایق سامنے آتے ہیں۔ اول تو یہ کہ قرآن کی کثرت تلاوت کے باعث ان کے یہاں متعدد اشعار ایسے ملتے ہیں جہاں قرآنی آیات یا ان کے ٹکڑے اس طرح بے ساختہ استعمال ہوئے ہیں گویا وہ خود شعر ہی کا حصہ ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کسی دوسری زبان سے لیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل اشعار میں خط کشیدہ الفاظ ملحوظ نظر رہیں۔

(۱) شُل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لَاتَخَف

سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ، سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ

(۲) آسناؤں تجھکو رمزِ آیۂ اِنَّ الْمُلُوْک سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری

سورۃ النمل میں ارشاد ہے: قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً۔

(۳) یہ لسان العصر کا پیغام ہے اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یاد رکھ

سورۂ یونس کی آیت ہے: أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔

(۴) یہ سب ہیں ایک ہی سالک کے جستجو کے مقام وہ جسکی شان میں آیا ہے عَلَّمَ الْاَسْمَاءَ

سورہ البقرہ کی آیت ہے: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا۔۔۔۔

(۵) حکم حق ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

سورہ النجم میں ارشاد ربانی ہے: وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔۔۔

(۶) آہ اے مردِ مسلماں تجھے کیا یاد نہیں حرف لَاتَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَر

سورہ القصص کی آخری آیت کا ٹکڑا ہے: وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ۔۔۔۔

اس ضمن میں وہ تلمیحات بھی آجاتی ہیں جو قصص قرآنی سے متعلق ہیں۔ اقبال سے پہلے ہر چند کہ کلیم و طور لن ترانی اور خلیل اللہ کی تلمیحات استعمال ہوتی ہیں، لیکن جو تاثیر ان کو اقبال کے کلام میں آنے سے ملی وہ اس سے پہلے نایاب ہے۔ کلیم و طور کے موضوع پر غالب

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

سے آگے نہ بڑھ سکے۔ وہ یہ نہ کہہ سکے ؎

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

اور اگرچہ ذوق کو

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

نے شہرت دوام بخش دی لیکن یہ نکتہ ان کے ذہن رسا میں بھی نہ آسکا ؎

آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے کر گیا سرمست مجھکو ٹوٹ کر میرا سبو

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

لیکن یہی قرآنی تلمیحات جب اقبال کے کلام میں آتی ہیں تو ان کا اثر اس لیے بڑھ جاتا ہے کہ اقبال نے ان کو روایتی انداز میں نہیں بلکہ الگ ہی پس منظر میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل یہ نکتہ وہ ہے جو پوشیدہ لاالہ میں ہے

تھا ارنی گو کلیم میں ارنی گو نہیں اس کو تقاضہ روا مجھ پہ تقاضہ حرام

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

کلامِ اقبال کی یہ خصوصیت کثرت تلاوت کی دین ہے۔

دوسری بات جو ان کے کلام میں نمایاں ہوئی وہ کثرت مطالعہ کی وجہ سے ہے (یہاں

کثرتِ تلاوت اور کثرتِ مطالعہ کا فرق واضح رہے) یہ وہ مقام ہے جہاں ان کا ذاتی فلسفہ اور فکر قرآنی ارشادات سے ہم آہنگ ہونے لگتا ہے۔ قرآن کے معنی کو بنیاد بنا کر فکر اس کے ہی الفاظ کی نشوونما کرتی ہے اور اس امتزاج کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لفظ ان کی شاعری میں ایک اصطلاح کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور جب بھی استعمال ہوتا ہے اصطلاح ہی کی شکل میں استعمال ہوتا ہے، محض اپنے لغوی معنوں میں نہیں۔ مومن، یقین، ابراہیم، خلیل، موسیٰ، کلیم، ابلیس، بولہب وغیرہ وہ قرآنی الفاظ ہیں جو اقبال کے یہاں ایک اصطلاح کی شکل اختیار کر لیتے ہیں مثال کے طور پر ان کے یہاں ابولہب سے مراد ابولہب بن عبدالمطلب اور ابراہیم سے مراد محض ایک پیغمبر نہیں بلکہ یہ ایک تاریخ، ایک رجحان اور ایک جذبہ کی علامت ہیں۔ یہ چند الفاظ اقبال کے یہاں کیسے اصطلاحات بنے ذیل میں اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے:-

(۱) **مومن**: قرآن میں صرف ضمیر واحد میں یہ لفظ پندرہ جگہ آیا ہے اور جمع کی ضمیر اور مشتقات میں اس کی تعداد کم و بیش ایک ہزار ایک سو بیس ہے۔ مومن کے بنیادی معنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے کے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ علم التوحید یا ایمانیات میں مومن کے لیے کچھ اور شرائط بھی ہیں۔ یہاں اس سے بحث نہیں ہے کہ اقبال کا مردِ مومن اور دوسرے فلسفیوں کے مردِ کامل یا فلسفی بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ یہ قرآنی لفظ اقبال کی شاعری میں اصطلاح کیسے بنا۔

قرآن کریم میں مختلف جگہ مومن کی صفات کا ذکر ہوا ہے لیکن خاص طور سے سورہ توبہ، سورہ مومنون اور سورہ احزاب میں تفصیل سے مومنوں کی صفات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ان میں مومنین کی دس دس صفات بیان کی گئی ہیں۔ اگر تکرار اور مترادفات کو الگ کر دیا جائے تو کم سے کم انیس صفات ضرور سامنے آتی ہیں، توبہ[1] کرنے والے، عبادت[2] کرنے والے،

حمد[3] کرنے والے، روزہ[4] رکھنے والے، رکوع[5] و سجود کرنے والے، نیک[6] باتوں کی تعلیم دینے والے، بری[7] باتوں سے بچنے والے، اللہ کی حدود[8] کا خیال رکھنے والے، خشوع[9] و خضوع والے، لغو[10] گفتگو سے بچنے والے، پاک[11] رہنے والے، شرمگاہ کی حفاظت[12] کرنے والے، اسلام[13] لانے والے، ایمان[14] لانے والے، سچ[15] بولنے والے، صبر[16] کرنے والے، خیرات[17] کرنے والے، اللہ کو بکثرت[18] یاد کرنے والے اور فردوس[19] کے وارثین شامل ہیں۔ اقبال کے یہاں بھی مومن اپنی صفات کا حامل ہے۔

یوں تو لفظ 'مومن' پہلی بار اقبال کی نظم 'سید کی لوحِ تربت' میں ملتا ہے:

بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے — قوتِ فرمانروا کے سامنے بے باک ہے

یہاں اقبال نے سرسید کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مشہور حدیث نبوی 'افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر' کا ترجمہ کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شعوری طور سے یہ لفظ پہلی بار 'طلوعِ اسلام' میں آیا ہے جو بانگ درا کی آخری نظم ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا — نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہ مومن کے تصور کی ابتدا ہے اور اس کا نقطۂ عروج ارمغان حجاز کی نظم 'مسعود مرحوم' میں ملتا ہے:

مقام بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر — زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات

مومن کی وہ صفات جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں، جا بجا اقبال کے اشعار میں ظاہر ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات — مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند (اطاعت و فرمانبرداری)

آئینِ جوانمردی حق گوئی و بے باکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (راست بازی)

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی (اللہ کی حدود کا خیال رکھنا)

یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی — یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ (عبادت کرنا)

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا — شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہو کاری (شرمگاہ کی حفاظت کرنا)

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی — مقامِ بندگی دیکر نہ لوں شانِ خداوندی (خشوع و خضوع)

ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی — وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگیں (صبر) وغیرہ وغیرہ

ام المومنین حضرت عائشہؓ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ حضورؐ کا اخلاق قرآن تھا۔ یہی بات اقبال کے یہاں ہم کو اس رنگ میں ملتی ہے:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآں

غرض یہ کہ اقبال کے اشعار میں جب کبھی لفظ مومن استعمال ہوا ہے تو اس سے وہ صاحبِ یقین و ایمان انسان مراد ہے جو زندگی کے ہر کارزار میں اللہ کی کتاب کو اپنا رہنما جانتا ہو اور جو گفتار و کردار میں اللہ کی برہان ہو:

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا — اتر گیا جو ترے دل میں لاشریک لہٗ

(۲) ابراھیم: ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کلامِ اقبال کی دوسری اہم اصطلاح ہے۔ حضرت ابراہیم میں مومن کی کچھ خصوصیات اتنی نمایاں تھیں کہ انکا تقاضا یہی تھا کہ یہ نام خود ایک الگ اصطلاح بن جائے۔ قرآن کریم میں لفظ ابراہیم انہتر[۶۹] بار آیا ہے۔ اسی کا مترادف خلیل اگرچہ قرآن میں تین بار آیا ہے (نساء: ۱۲۵، اسراء: ۷۳، فرقان: ۲۸) لیکن صرف سورۂ نساء کی آیت میں وہ حضرت ابراہیم کے بارے میں ہے، دوسرے موقعوں پر اپنے لفظی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ابراہیم اللہ کے برگزیدہ اور بہت عزیز پیغمبر تھے۔ ان کا ذکر قرآن میں بڑے والہانہ انداز میں ہوا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ النحل کی یہ تین آیات ملاحظہ ہوں:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

بے شک ابراہیم خلوص دل سے اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے۔ اس نے ان کو برگزیدہ کر لیا تھا اور انکو سیدھی راہ بتا دی تھی۔

وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝

اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خیر و خوبی عطا کی اور یقیناً آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوں گے۔

سورۃ الانبیاء میں ہے:

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝

ہم نے کہا کہ اے آگ تو ابراہیم کے لیے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن۔

سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝

اور ابراہیم کو اللہ نے اپنا خلیل مقرر کیا۔

لیکن ان سب سے الگ اور بالاتر بات یہ ہے کہ وہ اللہ کے امتحان میں پورے اترے تھے:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا...

وہ وقت یاد کرو جب کہ ابراہیم کا ان کے رب نے چند کلمات سے امتحان لیا اور ابراہیم نے ان کو پورا کر دیا تو خدا نے کہا میں تم کو تمام لوگوں کا امام مقرر کروں گا۔

تفسیر ابن کثیر میں ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے کہ پورا اسلام تیس[۳۰] حصوں میں بٹا ہوا ہے اور ابراہیم کا امتحان انہی تیس[۳۰] چیزوں میں لیا گیا تھا اور وہ اس پر پورے اترے لہٰذا ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تین بڑے اعزاز عطا ہوئے۔

اول تو یہ فرمایا گیا کہ وَ اِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰیٓ یعنی وہ ابراہیم جس نے وفا کی۔ وفا کا مطلب محبت نباہنا ہوتا ہے[۱] گویا راہ عشق کا کوئی پیچ و خم اور نشیب و فراز ابراہیم کے قدم میں لغزش یا لرزش نہ پیدا کر سکا۔ خواہ وہ اپنے وجود کو آتش نمرود کے سپرد کرنا ہو، ہجرت کی صعوبتیں ہوں، وادی غیر ذی زرع میں بیوی اور بچے کو بلکتا ہوا چھوڑنا ہو یا جگر کے ٹکڑے پر چھری پھیرنی ہو، غرض ابراہیمؑ جہاں اترے کامیاب اترے۔ محبت کے امتحان میں پورا اتر جانا زندگی کا حاصل ہے اور اس کامیابی کی سند خود باری تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو مندرجہ بالا آیت میں عطا فرمائی۔ اس کامیابی کا انعام سورۂ بقرہ کی ۱۲۴ ویں آیت کی صورت میں عطا ہوتا ہے اور لوگوں کی امامت کا تاج سر پہ رکھا جاتا ہے اور پھر اس اعزاز و اکرام کی تکمیل سورۂ نساء کی ۱۲۵ ویں آیت میں ہوتی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ انہیں اپنا خلیل بناتا ہے

اقبال کے آئینہ کلام میں بھی ابراہیم کا یہی قرآنی عکس ہے۔ وہ عشق، استقامت، اطاعت، بت شکنی اور تعمیر کی علامت ہیں۔ جگر کا ایک شعر جو زبان زد خاص و عام ہے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے   اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

شاید جگر کے یہاں ہجر و فراق کے درد و کرب کو آگ کا دریا کہہ دیا گیا ہے۔ لیکن ابراہیم

---

[۱] معارف: اس آیت اور بعض دوسری آیتوں کا مفہوم محل نظر ہے، یہاں توفیہ کا صیغہ آیا ہے نہ کہ وفا کا، پھر بعد کی آیات: اَنْ لَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی الخ کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے تھا۔

اس کیفیت سے جسمانی طور سے گذرے تھے۔ ان کا عشق آتش نمرود میں بے خطر اس لیے کود پڑا تھا کہ وہ اللہ مستی اور خود گزینی کی اس آخری منزل تک پہنچ چکے تھے جس کو یقین کہتے ہیں:

یقیں مثل خلیل آتش نشینی   یقیں اللہ مستی، خود گزینی

وہ بت شکنی کی علامت ہیں کہ انہوں نے کار نبوت کی ابتدا ہی صنم خانہ کو ڈھا کر کی تھی:

صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل   یہ نکتہ وہ ہے جو پوشیدہ لاالٰہ میں ہے

بت شکنی کا دوسرا پہلو اللہ کے گھر کی تعمیر ہے۔ انہوں نے جس کام کی ابتدا بتوں کو توڑ کر کی تھی اس کی تکمیل بیت اللہ کی تعمیر میں کی۔ ابراہیم اللہ کے معمار تھے۔ سجدۂ شوق کی ادائگی کے لیے جن در و دیوار کو انہوں نے اٹھایا تھا وہ ابد تک کے لیے عالم انسانیت کی جبین نیاز کی سجدہ گاہ اور بے تاب و بے قرار دلوں کی آرزوؤں کا مرکز بن گیا، اقبال ابراہیم کا ذکر ایک معمار کی حیثیت سے اس لیے کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے جو انہی ابراہیم کے پیرو ہیں، انہی صفات کے طالب ہیں:

حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا   تری نسبت براہیمی ہے معمار جہاں تو ہے

(۳) **موسیٰ**: اللہ تعالیٰ کے ایک اور جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ تھے۔ قرآن میں ان کا ذکر، یا نام ایک سو چھتیس[۱۳۶] بار آیا ہے۔ یہ بھی ایک اعزاز ہے۔ موسیٰ ابراہیم ہی کے خانوادہ سے تھے۔ اگرچہ دونوں کے درمیان صدیوں کا فاصلہ تھا۔ قرآن کے مطالعہ سے ذہن میں جو اس پیغمبر کی تصویر بنتی ہے وہ اپنے برگزیدہ جد امجد سے قدرے مختلف ہے۔ ایک قبطی کا قتل (سورۃ القصص) الواح کا پھینک دینا (سورۂ اعراف) بھائی کی داڑھی سے پکڑ لینا (سورۂ طٰہٰ) ایک جلالی شخص کی تصویر کشی کرتا ہے۔ ان کی اس لاٹھی کو اللہ نے اپنی نشانی قرار دیا جس سے وہ اپنی بھیڑوں کو ہانکتے تھے اور درخت سے پتیاں گراتے تھے۔

اس لاٹھی کو وہ فرعون کے دربار میں اللہ تعالیٰ کی نشانی کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہی عصا جادوگروں کو شکست دیتا ہے اور سمندر میں راستہ پیدا کرتا ہے۔ لیکن عصائے موسیٰ یا چوب کلیم جادوگر کی وہ چھڑی نہیں جس سے عام لوگوں کی نظروں کو دھوکا دیا جاتا ہے اور افعی پیدا کیے جاتے ہیں بلکہ ہر باطل اور کفر کے مقابلہ میں حق کی وہ قوت ہے جس سے سانپوں کا سر کچلا جاتا ہے۔ موسیٰ کا عصا اقبال کے یہاں اسلام کی مسلح قوت کی نمائندگی کرتا ہے:

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر قدیم گذر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلیم

یہ سحر قدیم وہی دور جاہلیت کے افکار و نظریات ہیں جو اس بظاہر ترقی یافتہ دور میں پھر سے سر اٹھا رہے ہیں۔ وہ باطل قوتیں جنھیں اسلام کی روشنی سے ضد اور جن کی نشاندہی و وضاحت مولانا مودودی نے اپنی کتاب تجدید و احیائے دین میں کی ہے فی زمانہ ان کے مقابلے کے لیے چوب کلیم ہی کی ضرورت ہے ع لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف
عصائے موسیٰ ایک موثر EFFECTIVE اور جاری و ساری OPERATIONAL مسلح قوت کی علامت ہے۔ اس کے بغیر رہنمائی ممکن نہیں۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

ریاست کی موجودگی اور دولت کی فراوانی کے باوجود کوئی بھی مسلم معاشرہ اس وقت تک محفوظ نہیں ہے، جب تک اس کی قیادت کے پاس باطل کی قوت کو دبانے کے لیے ضرب کلیمی نہیں۔ اقبال کے کلام میں موسیٰ یا کلیم جب بھی استعمال ہوا ہے جرات مندی، بہادری اور بے باکی کے پس منظر میں استعمال ہوا ہے۔

اسی کی بڑھتی ہوئی بے باکی و بے تابی سے تازہ ہر عہد میں ہے قصہ فرعون و کلیم

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

نظر آئی نہ مجھے قافلہ سالاروں میں وہ شبانی کہ ہے تمہید کلیم اللہی

(۴) ابلیس: ابلیس عامۃ الناس کے لیے اس کائنات کا سب سے ملعون فرد ہے جو ایک وقت معلوم تک اپنی نافرمانی کے باعث بارگاہ خداوندی کا معتوب اور ہر برائی اور شر کا ذمہ دار ہے لیکن فلسفہ اور تصوف نے ابلیس کو ایک اور شکل بھی دی ہے۔ کچھ صوفیہ کے نزدیک ابلیس کا سجدہ سے انکار نافرمانی یا استکبار کی وجہ سے نہیں بلکہ توحید پر اس کے پختہ ایمان کے باعث ہے، اس کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ کسی مخلوق یا غیر اللہ کو سجدہ کرتا اور اسی لیے کسی صوفی نے کہا ہے کہ جو توحید شیطان سے نہیں سیکھتا وہ کافر ہے۔ لیکن منصور حلاج کے یہاں ابلیس موحد ہی نہیں بلکہ دنیا کے دو عظیم ترین موحدین میں سے ایک ہے۔ دوسرے موحد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ میری نافرمانی تو تیری ذات کی قدوسیت کا اعلان ہے۔ طواسین کے اسی باب میں تھوڑا آگے چل کر منصور حلاج کوہ سینا کے ڈھلوانوں پر ابلیس اور حضرت موسیٰ کی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہیں جہاں دونوں کے سوال و جواب کے درمیان ابلیس اپنا یہی نقطہ نظر دہراتا ہے۔

اقبال کا ابلیس بھی عام مسلمانوں کے ابلیس سے مختلف ہے (مستشرقین نے اقبال کے فلسفہ ابلیس پر کتابیں بھی تصنیف کر دی ہیں) یہ بحث فلسفہ اقبال سے تعلق رکھتی ہے کہ وہ کہاں تک صوفی احمد غزالی، منصور حلاج اور سنائی سے متاثر ہوئے۔ ہمارا مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ اقبال کا ابلیس موحد ہو یا نہ ہو لیکن خودی کا علم بردار ضرور ہے انکی نظم ابلیس و جبرئیل ابلیس کے پورے کردار کی آئینہ دار ہے۔ اس کی یہ خودی شاید اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی اتنی غیر پسندیدہ نہیں۔ اس لیے جب وہ بارگاہ خداوندی میں عرض

کرتا ہے کہ:

ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

تو فہمائشی انداز میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

ظالم اپنے شعلۂ سوزاں کو خود کہتا ہے دود

آدم کی تخلیق، سجدہ کا حکم اور ابلیس کا انکار۔ اس ساری کہانی کا نچوڑ ابلیس جبریل کو اس طرح سمجھاتا ہے:

آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے — کر گیا سرمست مجھکو ٹوٹ کر میرا سبو

میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح — تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

عشق کی سنگلاخ وادی میں اقبال کے رہنما ابراہیم ہیں۔ زندگی کے خارزار میں انکا معیار موسیٰ ہیں، لیکن خودی و خودداری کی چوٹی پر ان کو ابلیس نظر آتا ہے۔

مذکورہ بالا چار الفاظ کے علاوہ کچھ اور قرآنی الفاظ بھی ہیں جنھیں اقبال نے اصطلاحاً استعمال کیا ہے جیسے کہ یقین، عجم یا عجمی اور بولہب وغیرہ وغیرہ۔ اقبال کے کلام کا یہ پہلو قرآن کے مطالعہ کی کثرت کا آئینہ دار ہے۔

اقبال کامل

از جناب مولانا عبدالسلام ندوی ؒ

اس کتاب میں علامہ اقبال کی مفصل سوانح حیات کے علاوہ ان کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور اردو اور فارسی شاعری پر ان کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

قیمت ۶۰ روپے

"منیجر"

ضمیمہ انٹرنس کورس فارسی مرتبہ علامہ شبلی ؒ

از ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی۔ علی گڑھ

معارف نومبر ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب صاحب کا مضمون "انٹرنس کورس فارسی مرتبہ علامہ شبلی" نظر سے گزرا۔ موصوف نے یہ مفید معلومات فراہم کرکے دکھایا ہے کہ درسی کتب کی ترتیب و تیاری میں بھی علامہ شبلی کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ چند ماہ قبل ایک مضمون "مولانا شبلی اور علی گڑھ" کی تیاری کے سلسلے میں جو سہ ماہی فکر و نظر کے علامہ شبلی نمبر (جون ۱۹۹۶ء) میں چھپ گیا ہے۔ مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) میں الہ آباد یونیورسٹی کے لیے مولانا شبلی کی تیار کردہ بعض فارسی درسیات نظر سے گزری تھیں۔ انھی کے حوالہ سے یہاں کچھ باتیں مذکورہ بالا مضمون کے ضمیمہ کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر سید لطیف حسین صاحب کے بیان کے مطابق مضمون لکھتے وقت ان کے پیش نظر انٹرنس کورس فارسی طبع پنجم تھا۔ اس پر سنہ طباعت درج نہیں ہے، لیکن انھوں نے ۱۸۹۶ء کو طبع اول کا سنہ قرار دے کر طبع پنجم کو ۱۹۰۰ء بتایا ہے۔ حسن اتفاق سے مولانا آزاد لائبریری میں بھی علامہ شبلی کے مرتب کردہ انٹرنس کورس فارسی کا ایک مطبوعہ نسخہ دستیاب ہے جس کے ٹائٹل کور پر یہ عبارت مرقوم ہے:

" انٹرنس کورس فارسی

مجوزہ سنڈیکیٹ برائے امتحان ۱۹۰۰ء

مرتبہ جناب مولانا محمد شبلی صاحب نعمانی

المخاطب بہ شمس العلماء

پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڑھ و فیلو آف یونیورسٹی الہ آباد

در مطبع العلوم علی گڑھ طبع شد "

اس نسخہ میں بھی سنہ طباعت اور طبع نمبر کی صراحت نہیں ہے لیکن یہ سنہ ۱۹۰۰ء کے کورس کے لیے مجوزہ تھا، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ سنہ ۱۹۰۰ء سے پہلے (اغلباً سنہ ۱۸۹۸ء میں) چھپا ہوگا اور مولانا شبلی کے نام کے ساتھ "پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڑھ" کے توصیفی لقب سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ علی گڑھ میں ان کے تدریسی خدمات کے دوران ہی شایع ہوا ہوگا۔ پیش نظر مضمون میں محولہ انٹرنس کورس فارسی مطبع فیض عام علی گڑھ سے چھپا تھا جب کہ مولانا آزاد لائبریری کے نسخہ پر مطبع العلوم علی گڑھ درج ہے۔ البتہ ٹائیٹل کی پشت پر جو اشتہار چھپا ہے اس کی عبارت دونوں نسخوں میں بالکل یکساں ہے لیکن ان دونوں نسخوں کے مشمولات میں ایک بڑا فرق یہ پایا جاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا محولہ نسخہ ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں حصہ نثر و نظم دونوں شامل ہیں اور آخر میں "انتخاب از قواعد فارسی" کے عنوان سے انیس ۱۹ صفحات کی ایک اور تحریر منسلک ہے، جب کہ مولانا آزاد لائبریری کا نسخہ صرف حصۂ نثر پر مشتمل ہے اور اس کے صفحات کی تعداد صرف ۹۶ ہے۔ مزید براں دونوں نسخوں کے حصۂ نثر کے مشمولات میں بھی کسی قدر فرق نظر آتا ہے، ڈاکٹر لطیف حسین ادیب صاحب نے مذکورہ کورس کے محتویات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے باب دوم (انتخاب از سفرنامہ خسرو) کے تحت جو ذیلی سرخیاں درج کی ہیں ان میں "صفت شہر مصر" اور "صفت شہر مکہ" کے مابین علی گڑھ کے نسخہ میں دو ذیلی سرخیاں (صفت احوال سلطان، سیر سلطان) کا اضافہ ہے اور آخری سرخی

"صفت زمین عرب و یمن" کے بجائے علی گڑھ کے نسخہ میں "صفت زمین عرب و عجم" درج ہے۔ بہر حال دونوں نسخوں کے مشمولات پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بعد میں اس کورس کے معیار کو مزید بلند کیا گیا ہے، علی گڑھ کے نسخہ کی قدامت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ سنہ ۱۹۰۱ء میں اسلامیہ اسکول اٹاوہ کے طالب علم محمد محسن کے زیر درس رہا ہے جیسا کہ اس کے اندر پہلے صفحہ پر ان کے نام وغیرہ کے اندراج سے ظاہر ہوتا ہے اور پیش نظر مضمون میں محولہ نسخہ سنہ ۱۹۱۱ء میں بریلی کے طالب علم سید عابد مہدی کے زیر مطالعہ تھا جیسا کہ فاضل مضمون نگار نے نشاندہی کی ہے۔

ڈاکٹر سید لطیف حسین صاحب نے حیات شبلی کے حوالہ سے یہ بھی فرمایا ہے کہ علامہ شبلی نے الہ آباد یونیورسٹی کے لیے ایف۔اے اور بی۔اے کا فارسی کورس بھی تیار کیا تھا لیکن ان میں سے کسی کورس کی کاپی دستیاب نہ ہو سکی، یہاں اس کا ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ مولانا آزاد لائبریری میں مولانا شبلی کے مرتبہ انٹرمیڈیٹ کورس فارسی کا بھی ایک مطبوعہ نسخہ محفوظ ہے۔ اس کے ٹائیٹل کور پر کتاب، مرتب کا نام اور باقی تفصیلات بایں الفاظ مندرج ہیں :

انٹرمیڈیٹ کورس فارسی

مجوزہ سنڈیکٹ الہ آباد یونیورسٹی

مرتبہ جناب مولانا محمد شبلی صاحب نعمانی

المخاطب بہ شمس العلماء

پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڑھ، فیلو آف یونیورسٹی الہ آباد۔

در مطبع العلوم علی گڑھ باہتمام سید اصغر علی طبع شد

سنہ ۱۸۹۰ء

۱۸۹۶ء کے مطبوعہ اس نسخہ پر طبع نمبر کی صراحت نہیں ہے، لیکن قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ طبع اول ہے۔ یہ انٹرمیڈیٹ کورس ۳۰۲ صفحات پر مشتمل ہے اور آخر میں پانچ صفحات کا صحت نامۂ اغلاط بھی منسلک ہے۔ یہ کورس حصہ نثر و نظم پر مشتمل ہے اور پھر ہر حصہ ۶،۶ ابواب میں منقسم ہے۔ ان کے علاوہ آخر میں ۳۵ صفحات پر مشتمل "انتخاب از مخزن الفوائد" بھی شامل ہے جس میں شعر و شاعری کی کیفیت و فضیلت، شعر کے اقسام اور معائب و محاسن سے بحث کی گئی ہے، دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ انٹرمیڈیٹ کورس فارسی کا انداز ترتیب بھی وہی ہے جو انٹرنس کورس کا ہے، فرق صرف معیار یا اختصار و تفصیل کا ہے، انٹرمیڈیٹ کورس فارسی کا پیش نظر نسخہ الہ آباد کے خان بہادر ابو محمد کے زیر مطالعہ رہا ہے اور انہی کے ذاتی ذخیرۂ کتب سے مولانا آزاد لائبریری کے لیے بقیمت حاصل کیا گیا تھا جیسا کہ ڈپٹی لائبریرین و اورینٹل ڈویژن کے موجودہ سربراہ ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری صاحب نے بتایا۔

مختصر یہ کہ علی گڑھ قیام کے دوران علامہ شبلی کی علمی مصروفیات میں ایم اے او کالج اور الہ آباد یونیورسٹی کے مختلف مضامین کی درسیات کی تیاری بھی شامل تھی حیدرآباد اور ندوۃ العلماء میں بھی انہوں نے اس نوع کی خدمت انجام دی ہے۔ تعلیم و تدریس کے میدان میں علامہ شبلی کی یہ خدمات بھی بڑی وقعت رکھتی ہیں، انکی مرتب کردہ درسیات کا تفصیلی مطالعہ و تجزیہ اہمیت و افادیت سے خالی نہ ہوگا۔ ڈاکٹر سید لطیف حسین صاحب کے مذکورہ مضمون کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بخوبی اس خدمت کو انجام دے سکتے ہیں۔

ہندوستان میں عربی سیرت نگاری

از جناب توقیر احمد اعظمی ندوی۔ علی گڑھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق و شیفتگی کے جذبات دنیا کے ہر مسلمان کے دل میں موجزن ہیں اس کی وجہ سے ہر ہر زبان میں، اور ہر ہر خطہ کے لوگوں نے آپ کے حالات مبارکہ پر منظوم و منثور کتابیں لکھی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عرب میں ہوئی تھی اس لیے آپ کی سیرت مبارکہ پر سب سے زیادہ کتابیں عربی زبان ہی میں لکھی گئی ہیں اور اب بھی اس زبان میں سیرت کی کتابوں کی تالیف کا سلسلہ جاری ہے جو انشاء اللہ غیر منقطع رہے گا۔ سرزمین ہند بھی عربی زبان کے فیوض سے محروم نہیں رہی اور یہاں کے علماء کا حصہ عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم و فنون کی خدمت میں کسی اسلامی ملک سے کم نہیں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے والہانہ تعلق کی بنا پر سیرت نبوی بھی یہاں کے اہل علم کے مطالعہ و تحقیق اور بحث و نظر کا خاص موضوع رہا ہے، ذیل میں عربی میں سیرت پر ہونے والے ہندوستانی سرمایہ کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

موجودہ تحقیقات کے مطابق ہندوستان میں اولین عربی سیرت نگار، ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن (م ۱۷۰ھ) تھے، انہوں نے دوسرے اسلامی دیار و امصار کے علاوہ شہر نبوی مدینہ منورہ اور مرکز خلافت بغداد میں سیرت کا درس دیا تھا اور انہوں نے مغازی پر ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی، لیکن افسوس کہ وہ بادحوادث کی نذر ہوگئی۔ تاہم اسکے

متفرق اجزا سیرت نبوی کے دوسرے مصادر جیسے ابن کثیر کی "السیرۃ النبویۃ" طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری وغیرہ میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں، بقول فواد سیزگین ان کی کتاب مکمل حیات نبوی پر مشتمل تھی[1]

لیکن اس کے بعد کئی صدی تک فن سیرت کی جانب زیادہ اعتنا نہیں کیا جاسکا، گو آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں سندھ پر عربوں کے قبضہ کے بعد اگرچہ مسلمانوں کا غلبہ مختلف علاقوں اور خطوں میں برقرار رہا تاہم سیاسی افراتفری اور حکومت کے عدم استحکام کی وجہ سے علمی و ثقافتی سرگرمیاں برگ و بار نہ لاسکیں۔ دسویں صدی کے اوائل میں غزنوی سلطنت نے سیاسی استحکام کی راہ ضرور ہموار کی مگر یہ بھی مستحکم اور پائدار ثابت نہیں ہوئی۔ اس لیے عملاً تیرہویں صدی تک سرزمین ہند میں اسلامی تہذیب کو برگ و بار لانے کا موقع نہ ملا، جس کے بغیر علمی ترقی ناممکن تھی۔

جب تیرہویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں دہلی سلطنت کا قیام ہوا تو اسلامی تہذیب عربی قالب کے بجائے عجمی بالخصوص ایرانی لباس میں جلوہ گر ہوئی اور عہد مغلیہ میں تو فارسی تو زبان و تہذیب بام عروج تک پہنچی، اس کے نتیجہ میں عربی زبان کی حیثیت محض ثانوی زبان کی رہ گئی، اس کی وجہ سے عربی زبان کے ساتھ عربی علوم سے اعتنا میں بھی کمی آئی، اس صورت میں سیرت نگاری کا عدم ارتقا فطری امر تھا[2] اسی لیے اس دور میں بعض نعتیہ و مدحیہ قصائد کے علاوہ کسی مکمل تصنیف کا سراغ نہیں لگتا۔

گو اس سلسلہ میں پیش رفت سست رہی چنانچہ مکمل تصنیف کے ذکر سے تاریخ کے صفحات خالی ہیں تاہم دسویں صدی میں سیرت کی جن وقیع کتابوں کا ذکر ملتا ہے ان میں عمر بن بحرق حضرمی (م ۹۳۰ھ) کی الحضرۃ الاحمدیہ بسیرۃ الحضرۃ النبویۃ الاحمدیہ[3]

اور ملا عبدالنبی اور شیخ زین الدین علی ملیباری (م ۹۲۸ھ) کی نامعلوم الاسم کتابیں ہیں۔ سیرت کی ان مکمل کتابوں کے علاوہ اس صدی میں چند شمائل و قصائد وغیرہ کا بھی ذکر ملتا ہے[4]

گیارہویں صدی میں عربی سیرت نگاری پر خاصا کام ہوا، جس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ پورے عہد نبوی پر محیط، مختصر و بسیط سیر میں لکھی گئیں اور محض شروح و حواشی و تراجم یا قصائد مدح و نعت پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے[5]۔ اس عہد کے ایک سیرت نگار یعقوب بن حسن کشمیری (م ۱۰۰۳ھ) کے حالات زندگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے مغازی پر ایک کتاب یا اس کی شرح لکھی تھی، منور بن عبدالحمید نے قصیدہ بردہ کی شرح لکھی تھی لیکن اس صدی کے دو اہم سیرت نگار محمد بن فضل اللہ برہانپوری (م ۱۰۲۹ھ) اور عبدالقادر حضرمی (م ۱۰۳۸ھ) ہیں، جنھوں نے سیرت نبوی کے موضوع پر متعدد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، اول الذکر نے کم از کم پانچ کتابیں سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مرتب کیں اور موخر الذکر نے الحدائق الحضرۃ فی سیرۃ النبی واصحابہ العشرۃ، المنتخب المصطفیٰ فی اخبار مولد المصطفیٰ اور المنہاج الی معرفۃ المعراج وغیرہ[6] جیسی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، ان کے علاوہ ہندوستان میں علم حدیث کی اولین و ممتاز ترین شخصیت مولانا عبدالحق محدث دہلوی[7] نے شمائل کے موضوع پر "مطلع الانوار فی الحلیۃ الجلیۃ النبویۃ" لکھی۔

بارہویں صدی میں خلاف توقع بہت زیادہ پیش رفت نظر نہیں آتی ہے، حکیم محمد اکبر دہلوی (م ۱۱۰۶ھ) نے تلخیص الطب النبوی اور شیخ سعد اللہ سلونی (م ۱۱۳۸ھ) نے تحفۃ الرسول کے نام سے سیرت نبوی یا اس کے کسی پہلو پر کتاب لکھی، اس کے علاوہ اس صدی میں کچھ نئے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ حواشی و شروحات و

قصائد بھی کہے گئے، لیکن اس صدی میں سیرت کی واحد مکمل تصنیف مولانا ہاشم سندھی (م ۱۱۷۴ھ) کی بذل القوۃ فی سنی النبوۃ ہے جو خوش قسمتی سے محفوظ رہی اور اب دستیاب ہے، اس کو ہندوستان میں عربی سیرت نگاری کی کامل و اولین تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے جو ہم تک پہنچی ہے، اس کے علاوہ ایک کتاب "حدیقۃ الصفا فی اسماء المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" کا پتہ چلتا ہے، جس کی شرح فارسی میں وسیلۃ الفقیر بشرح اسماء الرسول البشیر" کے نام سے لکھی گئی[۳]، اس کتاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریباً ۱۲۱۸ اسماء بیان کیے گئے ہیں، ان کتابوں کے علاوہ السیف الجلی علی ساب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ رسالۃ فی ان ساب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان اسلم لا یسقط منہ القتل ولو کان کافرا اصلیا، بسط البردۃ لزی ناظم البردہ، النور المبین فی جمع اسماء البدریین، فتح العلی فی حوادث سنی نبوۃ النبی اور حلاوۃ الفم بذکر جوامع الکلم وغیرہ بھی لکھی گئیں اور تقریباً آٹھ قصائد بھی آپ کی شان میں کہے گئے[۴]۔

تیرہویں صدی ہجری میں ہمیں سیرت نبوی کے مختلف گوشوں پر کافی مواد ملتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ عربی میں مکمل کتب سیرت کم لکھی گئیں، اس کی ایک وجہ فارسی اور اردو کی روز افزوں مقبولیت اور عربی زبان کا محدود دائرہ بھی ہے۔

اس صدی میں عربی کی کتب سیرت میں قاضی عیاض کی شفاء، خطیب کی مشکوۃ اور قسطلانی کی مواہب کی تلخیص اور صوفیانہ نقطہ نظر کی حامل التنبیہات النبویہ فی سلوک الطریقۃ المصطفویۃ مولف مولانا ولی اللہ سورتی (م ۱۲۴۲ھ) کے علاوہ سید مرتضیٰ بلگرامی (م ۱۲۰۵ھ) صاحب تاج العروس کی العقد المنظم

فی امہات النبی اور مولانا کرامت علی کی السیرۃ العطرۃ محمد خاتم الرسل وغیرہ ہیں، موخر الذکر کتاب بقول ڈاکٹر زبید احمد اس دور کی سب سے قابل ذکر سیرت ہے جو ضعیف روایات سے خالی ہے اگرچہ اس میں نقد و بحث کم ہے[۵]، اس کے متعلق ڈاکٹر مذکور کا خیال ہے کہ یہ سیرت حلبیہ کی تلخیص ہے[۶]۔ یہ کتاب ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد لکھی گئی تھی، اس کا موجودہ ایڈیشن بمبئی سے ۱۹۰۷ء میں شایع ہوا ہے۔

چودہویں صدی کو ہم عربی سیرت نگاری کا دور عروج قرار دے سکتے ہیں، اس صدی میں کئی کتابیں منصۂ شہود پر آئیں، متعدد کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا، اس دور کی کتب سیرت میں مولانا ابوبکر بن محمد جونپوری (م ۱۳۵۹ھ) کی سیرۃ الرسول، شیخ احمد بن صبغۃ اللہ مدراسی کی تاریخ احمد قابل ذکر ہیں، عبدالرحیم دہلوی (م ۱۳۲۶ھ) نے سیرت ابن ہشام کے اشعار کو مرتب ہی نہیں کیا بلکہ اس کے نامکمل قصائد کو بھی مکمل کیا[۷]، محمد عبدالواحد غازیپوری کی تحفۃ الاتقیا، محمد عبدالمجید کی المرتجی بالقبول، محمد خیر اللہ کی خیر الحقائق، محمد بن سعید کی الفتوحات الاحمدیۃ، اور خلاصۃ سیر سید البشر اور غلام احمد کی سیر البشر وغیرہ بھی ہیں[۸] جو سیرت کے مختلف گوشوں سے متعلق ہیں، اس دور میں ہندوستان کے محققین نے سیرت و دلائل نبوت کی بعض قدیم کتابوں کو شایع کرنے کا مفید کام بھی انجام دیا۔

ماضی قریب میں ہندوستان کے اہل علم و فضل نے سیرت نگاری پر خاص توجہ کی ہے، اور اس فن کی بعض اہم کتابوں کو تحقیق و تدوین کے ساتھ شایع کیا، ان میں مشہور محقق و فاضل ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، جنھوں نے سیرت ابن اسحاق کو شایع کیا، احادیث کے قدیم ترین مجموعہ صحیفہ وہب بن منبہ کے علاوہ بلاذری کی انساب الاشراف

کی پہلی جلد جو سیرت نبوی پر مشتمل ہے، اس کی اشاعت کا فخر بھی ان کو حاصل ہے، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے، انہوں نے مغازی عروۃ بن زبیر کو اپنی تحقیق کے ساتھ شایع کیا، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سیرت کی اولین تصنیف ہے، اسی طرح مولانا محمد بن ابراہیم مدرس مدرسہ محمدیہ دہلی نے محب الطبری کی خلاصۃ السیر کو اپنی تعلیقات کے ساتھ پیش کیا۔

لیکن سیرت کے اس سرمایہ میں بڑی بلند پایہ اور بہترین تصنیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی "السیرۃ النبویۃ" ہے جس کو برصغیر کی عربی سیرت نگاری کا لعل بے بہا کہا جا سکتا ہے۔ یہ زبان کی سلاست، اسلوب کی دلکشی اور دعوتی انداز بیان کے لحاظ سے بھی نہایت اچھی کتاب ہے جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی خصوصاً عرب دنیا میں اس کی بڑی پذیرائی ہوئی، اب تک اس کے تقریباً ۲۳ اڈیشن شایع ہو چکے ہیں، کتاب کی مقبولیت اور افادیت کے پیش نظر متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے اور یہ ترجمے بھی بہت مقبول ہوئے۔ مغز و مواد کے لحاظ سے بھی یہ وقیع اور اہم ہے، بالخصوص اس کا پہلا باب بہت مفید اور قیمتی ہے، اس میں یہ عہد جاہلیت کے عرب ہی نہیں اس وقت کے عالم انسانیت کے منظر کو بھی پیش کرتا ہے، جامعیت و تفصیل کے لحاظ سے اسکو غالباً سب سے پہلی بار سیرت نبوی کا ایک حصہ بنا کر پیش کیا گیا ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ گو قدما کی کتب میں بھی عہد جاہلیت کی تصویر ملتی ہے لیکن وہ عموماً قریش مکہ اور عرب کے پس منظر تک محدود رہتی ہیں لیکن مولانا ندوی کی اس سیرت میں دنیا کے اور علاقوں اور تہذیبوں کا مطالعہ اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ یہ بعثت جس قدر عرب کے لیے ضروری تھی اسی طرح پورے

عالم کے لیے ناگزیر تھی اور اس وقت اس قول حق کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ کی صداقت تاریخی اعتبار سے پوری طرح آشکار ہو جاتی ہے، بلاشبہ یہ باب اول جامع ترین ہے۔

ایک اور سیرت نگار مولانا صفی الرحمن مبارکپوری صاحب کی "الرحیق المختوم" بھی قابل ذکر ہے، ان کی یہ کتاب دراصل ایک عالمی مقابلہ سیرت نگاری کے لیے لکھی گئی تھی جو بیان کی ندرت، اسلوب کی حلاوت اور بحث و تحقیق کے اعلیٰ معیار کے باعث انعام اول کی مستحق ہوئی، اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شایع ہو چکا ہے۔

مولانا یوسف کاندھلوی صاحب کی حیاۃ الصحابہ، سیرت کی کتاب نہیں ہے تاہم اس کی پہلی جلد میں سیرت نبوی پر کافی مواد موجود ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی کتاب "حجۃ الوداع وعمرات النبی" میں سیرت نبوی کے ایک اہم پہلو کو بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

اس صدی میں اردو کی بعض اہم کتب سیرت کے عربی میں تراجم کیے گئے جن میں علامہ شبلی کی شہرۂ آفاق سیرۃ النبی بھی ہے، اس کے ترجمہ کی ذمہ داری ندوہ کے ایک فاضل مولانا اسمٰعیل مدراسی مرحوم نے لی تھی لیکن افسوس ان کی حیات شعلہ مستعجل ثابت ہوئی اور وہ اس کی تکمیل نہیں کر سکے، جانشین علامہ شبلیؒ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے سیرت پر مشہور خطبوں "خطبات مدراس" کو "الرسالۃ المحمدیۃ" کے نام سے مولانا محمد ناظم ندوی نے عربی جامہ پہنایا، ایک اور مشہور مفسر محمد علی لاہوری کی کتاب محمد رسول اللہ کا عربی ترجمہ منیر بعلبکی نے کیا ہے، اس کے علاوہ مولانا قاضی سلیمان منصور پوری کی رحمۃ للعلمین کا بھی عربی ترجمہ ہو چکا ہے۔

عربی سیرت نگاری کے اس مختصر جائزہ سے ہندوستانی علما و فضلا کی کاشوق کا اندازہ ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبی اردو جیسی عظیم الشان تالیف کے مانند عربی میں کوئی سیرت نہیں لکھی گئی[۱۳]۔

حواشی

[۱] فواد سیزگین: تاریخ التراث العربی، الہیئۃ المصریہ العامۃ للکتب ۱۹۷۸ء جلد ۱ ص ۴۶۶ [۲] ڈاکٹر یٰسین مظہر: ہندوستان میں عربی سیرت نگاری، تحقیقات اسلامی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۲۰، ۷، ۱۱ [۳] عبد القادر حضرمی: النور السافر [۴] دیکھیے تحقیقات اسلامی، حوالہ سابق [۵] ایضاً [۶] ایضاً [۷] ایضاً [۸] ایضاً [۹] ڈاکٹر زبید احمد، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ [۱۰] مقدمہ محقق بذل القوۃ [۱۱] ایضاً [۱۲] ایضاً [۱۳] ایضاً۔

فارم ۱۷

دیکھو رول نمبر ۸

معارف پریس اعظم گڈھ

نام مقام اشاعت : دار المصنفین اعظم گڈھ پتہ : دار المصنفین اعظم گڈھ

نوعیت اشاعت : ماہانہ نام پبلیشر : " " "

نام پرنٹر : عتیق احمد ایڈیٹر : ضیاء الدین اصلاحی

قومیت : ہندوستانی قومیت : ہندوستانی

نام و پتہ مالک رسالہ دار المصنفین

میں عتیق احمد تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔ عتیق احمد۔

تلخیص و تبصرہ

بنی بویہ اور ان کی حکومت

"یہ پُر از معلومات مضمون مجلۃ التاریخ الاسلامی (نئی دہلی) میں شایع ہوا تھا، مولوی کلیم صفات اصلاحی ناظر کتبخانہ دار المصنفین نے قارئین معارف کے لیے اسکی تلخیص کی ہے (ض)

بنی بویہ کے نسب کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ یہ ساسانی بادشاہ بہرام بن یزدجرد کی اولاد ہیں اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ بنی ضبہ کے وہ عربی قبائل تھے جو پہلے بلاد نجد کے شمالی حصے میں بود و باش رکھتے تھے، بعد میں بعض پڑوسی عربی قبائل سے جنگ وجدل کی وجہ سے ان لوگوں نے شہر دیلم کا رخ کیا اور وہیں آباد ہوگئے، لیکن یہ موخر الذکر روایت درست نہیں معلوم ہوتی، غالباً یہ ان کے عروج و اقتدار کے زمانے میں ان کا فضل و منقبت ظاہر کرنے کے لیے وضع کی گئی ہوگی جیسا کہ یاقوت حموی نے بھی تصریح کی ہے، وہ لکھتا ہے:

"بویہی فرمانروا عضد الدولہ نے ۳۶۷ھ میں ابو اسحاق ابراہیم بن ہلال الصابی کو اس جرم میں قید کر دیا کہ وہ اس کے دشمن عز الدولہ بختیار کا میر منشی تھا۔ اس کی گرفتاری کے بعد بغداد کے کچھ امرا عضد الدولہ کے پاس آئے اور انھوں نے ابراہیم بن ہلال الصابی کی علمی جلالت و مرتبت، دیانت اور فرض شناسی کا حوالہ دے کر اس کی رہائی کا مطالبہ کیا، عضد الدولہ اس شرط پر آزاد کرنے کے لیے آمادہ ہوا کہ وہ بنی بویہ کی تاریخ اور ان کے فضائل و مناقب پر ایک کتاب تصنیف کرے چنانچہ اس نے "کتاب التاجی فی اخبار بنی بویہ" تالیف کی اور

جس میں بنو ضبہ سے بنو بویہ کے تعلق و انتساب کو ثابت کیا لیکن اس کتاب کی صداقت و استناد پر شبہ کیا گیا ہے، چنانچہ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ابو اسحاق صابی کے کسی ساتھی نے قید خانے میں اس سے ملاقات کی تو وہ اسی کتاب کے مسودے کی ترتیب میں مصروف تھا جب ساتھی نے اس کی مشغولیت کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ "کچھ بے سر و پا اور جھوٹی باتوں کی ترتیب و تالیف کر رہا ہوں۔"

البیرونی کو بھی بنی بویہ کے حسب و نسب کا صحیح علم نہ ہو سکا، اس کی تصریح کے مطابق ساسانی بادشاہ بہرام گور یا عربی النسل بہرام بن ضحاک بن ابیض بن معاویہ بن دیلم بن باسل بن ضبہ سے ان کا نسبی تعلق ہے۔

درحقیقت ان کے حکومت و اقتدار کے حصول کے بعد ہی نسب وضع کیا گیا ہے، بویہی خاندان کا سب سے پہلا شخص جس کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے ابو الشجاع بویہ بن فناخسرو ہے جس کے تین بیٹے تھے: علی، حسن اور احمد اور انہی تینوں بھائیوں سے بویہی خاندان کا سلسلہ چلا۔ ابو الشجاع ایک دیلمی قبیلہ کا سردار تھا۔ اس کے بارہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ ابتداً سامانیوں سے متوسل تھا، پھر ۳۱۸ھ/۹۳۰ء میں ایک جماعت کے ساتھ دیلمی قائد مرداویج بن زیار کے لشکر میں شامل ہو گیا جو زیاریہ حکومت کا بانی تھا۔ ایک روایت یہ ہے جو بوجوہ قابل ترجیح بھی ہے کہ ابو الشجاع بویہ ایک غریب ملاح و ماہی گیر تھا جو بحر قزوین کے ساحل پر مچھلیوں کا شکار کرتا تھا۔

غرض اسی بویہ بن فناخسرو سے اس خاندان کا انتساب ہوا، بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بویہ اور اس کے تینوں بیٹے بڑی عسرت اور تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ اتفاقاً ایک دن ان کی ملاقات ایک نجومی سے ہو گئی، اس نے پیشین گوئی کی کہ وہ ایک وسیع و عریض سلطنت اور بڑے مال و دولت کے مالک ہوں گے مگر اس وقت باپ اور بیٹوں

نے اسے مذاق پر محمول کیا۔

بنی بویہ کی شہرت بویہ کے بڑے فرزند علی بن بویہ کے ذریعے ہوئی وہ اور اس کا بھائی حسن بن بویہ زیدیہ حکومت میں فوجی ملازم تھے۔ اس سلطنت کا رقبہ طبرستان اور دیلم تک تھا، ۳۱۲ھ میں علی بن بویہ زیدیہ حکومت کے ایک بڑے افسر ماکان بن کالی کے ظلم و جبر سے تنگ آکر سامانی امیر نصر بن احمد سے جا ملا۔

سیاسی اضطراب اور اقتصادی بحران کے عہد میں عموماً فوجیوں کی خدمات مشکوک ہوتی ہیں اور وہ وفاداری اور سچی خیر خواہی کے بجائے اپنے ذاتی فائدوں اور مال و دولت سے سروکار رکھتے ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ علی بن بویہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ماکان بن کالی کے ہمرکاب نظر آتا ہے جو اس وقت ایک دوسرے دیلمی سردار مرداویج بن زیار کے ساتھ برسرپیکار تھا۔ لیکن جب بنو بویہ نے مرداویج بن زیار کا پلہ بھاری دیکھا تو وہ ماکان کو چھوڑ کر سپہ سالاروں کی ایک جماعت کے ساتھ مرداویج سے مل گیا۔ مرداویج نے ان کا خیر مقدم کیا اور نہایت عزت و تکریم کی اور ان تمام سرداروں کو عراق عجم میں اپنے مفتوحہ پہاڑی علاقوں کے ایک ایک شہر کا حکمران نامزد کیا۔ اس طرح علی بن بویہ کے حصے میں شہر کرج آیا، مگر مرداویج کو حکم نامہ جاری کرنے کے فوراً بعد یہ احساس ہوا کہ اس نے ان سپہ سالاروں کی تقرری میں عجلت سے کام لیا ہے، کیونکہ کل تک جو اس کے دشمن کی فوج میں شامل تھے ان سے کیا بعید ہے کہ وہ اس کے خلاف بھی بغاوت نہ کریں گے، چنانچہ اس نے اپنے بھائی وشمگیر ابن زیار کو جو رے میں اس کا نائب تھا اور اسی سے ان تمام سرداروں کو اپنے شہروں کا پروانہ لینا تھا فوراً ایک خط لکھا کہ جو سپہ سالار تمہارے پاس پہونچے ہیں ان کی تقرری منسوخ کر دو اور اگر ان میں سے کسی نے اپنے شہر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہو تو اس کو

چھوڑ کر باقی دوسروں کو انتظامی عہدوں سے الگ رکھو۔

وشمگیر بن زیار کے پاس بھیجے جانے والے خطوط ضابطہ کے مطابق پہلے اس کے وزیر حسین بن محمد ملقب بالعمید کے ہاتھ لگتے تھے جن کو پڑھنے کے بعد وہ وشمگیر کی خدمت میں پیش کرتا تھا، عمید کے علی بن بویہ سے گہرے مراسم تھے اس لیے جب مرداویج کا یہ خط اس نے پڑھا تو چپکے سے علی بن بویہ کے پاس جاکر اس خط کے مضمون سے اسے باخبر کردیا اور مشورہ دیا کہ وہ فوراً شہر کرج جاکر اپنے منصب کو سنبھال لے تاکہ وشمگیر اس کی تقرری کو منسوخ نہ کرسکے، علی بن بویہ اس کے مشورے کے مطابق کرج چلا گیا اور اپنا منصب بھی سنبھال لیا، دوسرے روز وزیر عمید نے وشمگیر کی خدمت میں اسکے بھائی مرداویج کا خط پیش کیا چنانچہ اس نے اس کی ہدایت کے مطابق سپہ سالاروں کی تقرریاں منسوخ کردیں مگر علی بن بویہ کی تقرری بحال رہی اور اسی کے نتیجے میں بالآخر دولت بویہ کا قیام عمل میں آیا۔

مسکویہ کی روایت کے مطابق علی بن بویہ اور عمید کے مابین دوستی کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ ایک روز علی بن بویہ کو پیسوں کی سخت ضرورت تھی اس لیے وہ اپنے ایک خوبصورت خچر کو بازار میں فروخت کے لیے لے گیا، اتفاق سے عمید کو ایک خچر کی ضرورت تھی جس کی خریداری کے لیے اس نے اپنا ایک آدمی بازار بھیجا تھا۔ علی بن بویہ کو اس کا پتہ چلا تو وہ خود ہی اپنا خچر لے کر عمید کے پاس پہونچا اور بلا قیمت اسے ہدیہ کردیا، اس ہدیہ کے نتیجے میں عمید نے علی کو کرج کی حکمرانی کے حصول میں مدد دی، یہ علاقہ ہمدان کے جنوب مشرق میں واقع تھا علی بن بویہ حکمراں ہونے کے بعد اپنی حکومت کے دائرے کو وسیع کرنے میں مصروف ہوگیا، وہ خود لشکر کی قیادت کرتا اور اس نے خورمیوں کے زیر نگیں متعدد قلعے فتح کرلیے

اور کافی مال ومتاع حاصل کیا، اس کے ذریعے وہ عام لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے لگا۔

کرج میں علی بن بویہ کی مقبولیت اور اعزاز مرداویج ابن زیار کو ناگوار گزرا۔ چنانچہ اس نے علی کو کرج کی حکمرانی سے ہٹانے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی کہ وہاں بڑی تعداد میں اپنے ان فوجیوں کو روانہ کیا جن کی بیش قرار تنخواہیں تھیں تاکہ وہ جنگ وجدال کے بغیر ہی علی بن بویہ کے خلاف بغاوت اور انقلاب برپا کردیں کہ علی ان کے اخراجات خاطر خواہ برداشت نہ کرسکے اور نتیجتاً یہ فوج اس کے خلاف بغاوت کر بیٹھے اس وقت اس پر حملہ موزوں رہے گا، لیکن صورت حال وہاں اس کے برعکس ہوئی۔

علی بن بویہ نے ان فوجیوں کا پُر تپاک خیر مقدم کیا اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اس کے مطیع ہوگئے، جب مرداویج کو یہ پتہ چلا کہ علی نے ان فوجیوں کی ہمدردی حاصل کرلی ہے تو اس کو اپنے طریقۂ کار پر افسوس ہوا اور اس نے خط لکھ کر انہیں واپس آنے کا حکم دیا مگر علی بن بویہ نے ان کو مرداویج کے خلاف برانگیختہ کرکے اس کا منصوبہ ناکام بنادیا، چنانچہ تمام فوجی اسی کے پاس خوشی اور اطمینان سے رہ گئے۔

رفتہ رفتہ علی بن بویہ اتنا مضبوط ہوگیا کہ وہ مرداویج کے مقابلہ میں صف آرا ہوسکے جس کی جانب سے بنو بویہ کی مخالفت کا اظہار ہوتا رہتا تھا۔ علی نے ان سے لڑنے کے لیے اپنی فوج بھی تیار کرلی تھی لیکن مرداویج فوجوں کی تعداد اور اسلحہ دونوں میں اس سے فائق تھا، اس لیے ان کا مقابلہ اس کے لیے آسان نہیں تھا، اسی دوران وہ اپنی فوجیں لے کر کرج سے نکلا اور جنوبی جانب شہر اصفہان کا رخ کیا۔ اس وقت وہاں عباسی سردار ابو الفتح بن المظفر محمد بن یاقوت ایک لشکر سمیت موجود تھا جس میں تقریباً دس ہزار فوجیں تھیں، اسی کے ساتھ اصفہان کی مالگذاری اور بندوبست کا مہتمم ابو علی بن رستم بھی وہاں تھا۔

علی نے ان دونوں سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان دونوں کے ساتھ مل کر خلیفۂ عباسی کا مطیع ہونا چاہتا ہے مگر ان دونوں نے اس کی درخواست رد کر دی، نتیجتاً دونوں جانب صف آرائی ہوئی اور ۳۲۱ھ میں علی بن بویہ کامراں ہوا، ابن اثیر نے اس فتح کا بنیادی سبب یہ بتایا ہے کہ وہ دیلمی فوجی جو لشکر خلافت میں تھے دوران معرکہ اپنی ہم وطن افواج یعنی علی بن بویہ سے آملے، بہرحال ایک چھوٹے سے لشکر کے ذریعہ جس کی تعداد ایک ہزار بھی نہیں تھی دس ہزار کے لشکر خلافت کو شکست دینا علی بن بویہ کا ایسا بڑا کارنامہ تھا جس نے اسے تمام لوگوں کا مرکز توجہ بنا دیا، اس سے اس کی بڑی شہرت بھی ہوئی اور اس کی حکومت بھی مزید مستحکم ہوئی۔

خلافت عباسیہ کی ناراضگی اور مرداویج کی قربت کی وجہ سے علی بن بویہ کے لیے اصفہان میں قیام کرنا خطرناک تھا اس لیے اسے زیر نگیں بنا کر وہ ارجان کی طرف چلا گیا جو ایران کے شمال مغرب میں شیراز سے ۱۲۰ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

ذی الحجہ ۳۲۱ھ میں وہ جنگ وجدال کے بغیر ہی ارجان پر قابض ہو گیا کیونکہ محمد بن یاقوت میں جو خلافت عباسیہ کی طرف سے وہاں کا والی تھا، اس کی اصفہان کے میدان جنگ میں شکست کھانے کے بعد اب بویہی افواج سے نبرد آزما ہونے کی ہمت نہیں تھی۔

علی ابن بویہ نے ارجان میں کچھ دنوں قیام کیا تاکہ فوج بھی آرام کر لے اور وہ مزید فتوحات حاصل کر سکے۔ مسکویہ کا بیان ہے کہ وہاں سے اس نے تقریباً بیس لاکھ درہم خراج میں وصول کیے اور اس کے علاوہ بھی بڑا مال و دولت حاصل کیا۔ جس سے اس کی طاقت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ وہاں سے وہ نوبندجان پہنچا اور اس کے حکمراں کو شکست دے کر اس پر قابض ہوا۔ یہ بڑا شہر ارجان اور شیراز کے وسط میں تھا۔

اب علی بن بویہ کا حوصلہ اتنا بڑھا کہ وہ فارس کے پایۂ تخت شیراز پر حملے کے بارے میں سوچنے لگا، مگر اسے معلوم تھا کہ مرداویج بن زیاد ایک طرف اپنے بھائی وشمگیر سے اور دوسری طرف عباسی سپہ سالار یاقوت سے خط و کتابت کر رہا ہے اس لیے اسے اندیشہ ہوا کہ اگر سب مل کر اس کے خلاف حملہ آور ہوئے تو اس کے لیے کامیاب ہونا مشکل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنا لشکر لے کر نوبندجان سے ایران کے پرانے مشہور شہر اصطخر پہونچا اور وہاں سے ایرانی شہر بیضا پہونچا جو شیراز سے ۲۴ میل پر تھا۔ اس اثنا میں عباسی سپہ سالار ایک فوج گراں لے کر اس کا تعاقب کرتا رہا، بالآخر، ۱ جمادی الآخر بروز منگل ۳۲۲ھ کو عباسی افواج اور علی بن بویہ کا آمنا سامنا ہوا، جنگ میں عباسی افواج کو شکست فاش ہوئی، اس فتح نے علی بن بویہ کے لیے شیراز کے راستے کھول دیئے، چنانچہ اس نے اس شہر کو اپنا پایہ تخت بنایا۔

علی بن بویہ نے شیراز کے باشندوں کے ساتھ بڑے حسن سلوک کا معاملہ کیا، چنانچہ انہوں نے اس کے تئیں اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دیا، جو لوگ اس کے ہاتھوں قید ہو گئے تھے ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا اور ان کو یہ اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو یاقوت کے یہاں جا سکتے ہیں اور چاہیں تو اس کے ساتھ ہی رہیں مگر انہوں نے اسی کے پاس رہنے کو ترجیح دی، چنانچہ اس کی افرادی قوت بہت بڑھ گئی اور ۳۲۵ھ میں اس کا دائرہ اقتدار فارس، رے، اصفہان اور بلاد جبل تک وسیع ہو گیا۔

علی بن بویہ کی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے مفتوحہ ممالک پر اپنے اقتدار کے لیے شرعی جواز فراہم کرے چنانچہ خلیفہ عباسی راضی باللہ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ وہ خلافت کا مطیع ہے اور اپنے مفتوحہ ممالک کے لیے خلافت سے ضمانت چاہتا ہے اور اس کے بدلے میں وہ خزانۂ خلافت میں ۸ لاکھ درہم پیش کرنے کو تیار ہے، راضی باللہ علی بن بویہ کی

اس پیش کش پر راضی ہوگیا اور یحییٰ بن ابراہیم مالکی کے ہاتھوں خلعت ، عہدنامہ اور علم خلافت بھیجا اور تاکید کی کہ یہ ساری چیزیں اسی وقت ابن بویہ کے حوالہ کی جائیں ، جب وہ مطلوبہ مال اس کے حوالہ کردے اور یہ وعدہ کرے کہ وہ یہ رقم ہر سال ادا کرتا رہے گا مگر علی بن بویہ نے قاصد کے ساتھ دغا کی اور تحائف وصول کرنے کے بعد بھی مقررہ رقم حوالہ نہ کی مزید یہ کہ اس نے لوگوں کے سامنے خلیفہ عباسی کے عہدنامے کو پڑھ کر سنایا تاکہ عوام مطمئن ہوجائیں کہ اس کے اقتدار کو خلیفہ عباسی کی تائید حاصل ہے ۔

بنی بویہ کے زیر تسلط جو علاقہ آچکا تھا وہ اسی پر قانع نہ رہے بلکہ عراق پر قبضے کے لیے طالع آزمائی کرنے لگے ، اتفاق سے اس وقت بغداد کی حکمرانی کے لیے امیرالامراء اور اس کے حریفوں کے درمیان سخت جنگ چھڑی ہوئی تھی ، چنانچہ اس معرکہ آرائی میں بنو بویہ کو اپنی آرزو کو شرمندۂ تکمیل کرنے کا اچھا موقع حاصل ہوا ، ۳۲۶ھ میں وہ اہواز اور واسط پر قابض ہوگئے اور ۳۳۴ھ میں احمد بن بویہ کی قیادت میں بویہی لشکر نے عباسی پایۂ تخت بغداد کی جانب کوچ کیا ، مورخ صولی کا بیان ہے کہ خلیفہ عباسی متقی باللہ نے بنو بویہ کی بغداد آنے کی دعوت اس وقت دی تھی جب امیرالامراء توزون سے ان کی کشمکش جاری تھی ، چنانچہ بغداد میں داخلہ کے وقت احمد بن بویہ لوگوں کو خلیفہ کا خط دکھاتا تھا جس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ لوگوں کی تائید اسے حاصل ہو اور دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ اس شہر پر ان کے قبضہ کو تسلیم کیا جائے ۔

خلیفہ عباسی مستکفی باللہ نے بویہی لشکر کا خیر مقدم کیا کیونکہ اس وقت امیرالامراء کے منصب کے لیے امراء اور دوسرے قائدین فوج میں جو معرکہ آرائی جاری تھی اس کے نتیجہ میں عراق فلاکت اور بدحالی سے دوچار تھا اور خلیفہ کو یہ احساس تھا کہ بویہی افواج

عراق کو اس پریشانی سے نجات دلانے میں مدد دیں گی ، ان حالات میں بنو بویہ نے عراق میں امیرالامراء کا منصب اپنے لیے حاصل کرلیا اور یہ منصب ان میں خاندانی طور پر ایک سو تیرہ سال تک قائم رہا جس کے نتیجہ میں خلافت عباسیہ کی شکل وصورت ہی بدل گئی ، اکثر مورخوں کا بیان ہے کہ خلافت عباسیہ کی ہیئت واہمیت بویہی عہد میں ختم ہوچکی تھی ، خلیفہ عباسی محض ایک دینی شعار کے طور پر باقی تھا ، اقتدار میں برائے نام اس کا حصہ رہ گیا تھا ۔ اصل حکومت واقتدار بویہی امراء کے ہاتھوں تھا ۔

درحقیقت بنو بویہ ہی خلافت عباسیہ کے اضمحلال وزوال کا سبب نہ بنے تھے ۔ بویہیوں سے پہلے ترکوں کے عہد میں خلافت عباسیہ کی ہیبت ختم ہوچلی تھی ، ترکی امراء ہی اصلاً خلافت عباسیہ کے ارباب حل وعقد بنے ہوئے تھے چنانچہ خلیفہ متوکل کے بعد بالترتیب چار خلفاء منتصر ، مستعین ، معتز اور مہتدی کے دور میں ترکوں کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ خلیفۂ عباسی کو ترک سرداروں کے ہاتھوں کا کھلونا کہا جاتا تھا جو ان کی مرضی کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دے سکتا تھا ، ان حالات کے نتیجہ میں مرکز خلافت سیاسی ، اقتصادی اور انتظامی اعتبار سے نہایت کمزور ہوگیا تھا اور ماتحت ریاستوں کی خودمختاری کا سلسلہ دراز ہونے لگا تھا ، چنانچہ ۳۲۲ھ میں جب راضی باللہ خلیفۂ عباسی ہوا تو اسکی بادشاہت کا دائرہ محض بغداد اور اس کے چند نواحی علاقوں تک محدود تھا ، خلافت عباسیہ کے ضعف کی تصویر ابن الاثیر کی درج ذیل تحریر سے بخوبی سامنے آجاتی ہے ۔

" خلافت کے علاوہ انتظام کے سارے امور کا یہ حال تھا کہ بصرہ ابن رائق کے قبضہ میں تھا ، خوزستان اور اہواز ابن البریدی کے ہاتھ میں تھے ، فارس عماد الدولہ ابن بویہ کے زیر تسلط تھا ، کرمان میں علی بن الیاس کی حکومت تھی ، رے اصفہان اور جبل

رکن الدولہ ابن بویہ کے قبضہ میں تھے، وشمگیر جو مرداویج کا بھائی تھا وہ خود اپنے بھائی سے دست بگریباں تھا، دیار بکر مضر اور ربیعہ ابن حمدان کے ہاتھ میں تھے، مصر، شام، ابن تغج کے زیر اقتدار تھے، مغرب اور افریقہ پر ابن عبدیین کی حکمرانی تھی، اندلس پر عبدالرحمٰن بن ناصر کا قبضہ تھا، ماوراء النہر کے علاقے بنو سامان کے ہاتھ میں تھے طبرستان پر دیلمیوں کی اور بحر دیمامہ پر ابو طاہر قرمطی کی حکومت تھی۔

اس طرح خلافت عباسیہ کی حالت بڑی نازک ہوگئی تھی، خلیفہ امیر الامراء کے احکام کا پابند ہوتا تھا اور خود اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا تھا، جیسا کہ گزر چکا ہے کہ خلافت عباسیہ کے اضمحلال کا اصل سبب بنو بویہ نہیں تھے بلکہ وہ حالات تھے جن سے خلافت عباسیہ بنو بویہ سے سو سال قبل دوچار ہو چکی تھی اور جس کو جدید مورخین نے "ترکی اقتدار کا عہد" کا نام دیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ترکوں کے غلبہ و تسلط کے مقابلے میں بویہیوں کا عہد کافی بہتر تھا کیونکہ وہ اقتدار پر پوری طرح قابض تھے اور سارے انتظامی امور انہوں نے خود سنبھال رکھے تھے اور خلیفہ کو ان تمام مشکلات سے بچا رکھا تھا جس سے وہ ترکوں کے عہد میں دوچار تھے، چنانچہ ترکوں کے عہد میں فوجوں کی بغاوت اور ترک سپہ سالاروں کی کشمکش کے نتیجہ میں خلیفہ عباسی معزول کر دیا جاتا تھا اور اس کی شخصیت مجروح کی جاتی تھی مگر جب بویہیوں نے اقتدار پر قبضہ کیا اور امیر الامراء کا منصب ان کے خاندان میں موروثی ہوا اور خلیفہ کی جانب سے بویہی امیر کو اپنے ہی نام سے نظم و انتظام کی اجازت حاصل ہوگئی تو خلیفہ سے ان کی آویزش کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی، نیز یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ان کو خلیفہ کی جانب سے اجازت ملنے کی وجہ سے احترام اور عزت کی دولت حاصل ہوئی جو ان ترک سپہ سالاروں کو بہر حال حاصل نہ ہو سکی جو خلیفہ عباسی کو ناراض کر کے اقتدار پر قابض ہوتے تھے۔

(ک۔ص)

آثار علمیہ و تاریخیہ

تراجم کا آغاز

از

مولانا عبد اللہ عمادی[1]

آج کل مصر کی ادبی جماعت کے محمد آفندی لطفی جمعہ کا نام سرزمین ہند میں پہنچ چکا ہے اور ان کی کتاب "تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب" کو شعبہ فلسفہ کی تحریک پر محکمہ دار الترجمہ جامعہ اردو میں منتقل کرنے کا اہتمام کر رہا ہے۔ یہ کتاب ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا نقش اول ایک ایسا مقالہ ہے جس کی بنا پر محمد آفندی لطفی کو ۱۹۰۹ء میں حکومت فرانس سے پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا ہوئی۔ بعد ازاں ۱۸ مہینوں کی مزید کاوشوں سے اس کتاب کا نقش ثانی مرتب ہوا جو ۱۹۳۷ء میں مصر کے مطبع "المعارف" سے شایع ہوا۔ اس کتاب کے مقدمہ (ص۔ ن۔ س) میں اس معروف دار الترجمہ کا تذکرہ ہے، جو عباسی خلیفہ مامون الرشید ۱۹۹ھ تا ۲۱۸ھ نے قائم کیا تھا۔ اس شیریں حکایت کا ہر پارہ ایک شکر پارے کی طرح تاریخ کو شیرینی کام و دہن کی لذت بخش رہا ہے۔

مذکورہ کتاب میں مولف نے ترجمۂ علم و فن کی اولیت خلیفہ منصور ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ سے منسوب کی ہے لیکن تاریخ نے رہبران اسلام و وزیران حکمت کے جو نقوش محفوظ کر رکھے ہیں اس کی سر منزل ایک پایہ شناس اہل نظر کو آغاز اسلام (یعنی قرن اول) ہی سے ملتی ہے۔

علم کی ابتدا جناب رسالت مآب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکیمانہ تعلیمات و (انوار)

---

[1] معارف: واضح رہے کہ مولانا کا انتقال تقریباً ۵۰ سال پہلے ہوا تھا۔

آیات بینات سے علم وحکمت کی عالیشان تخم ریزی کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خطبات نے اس عظیم شعبہ کی ترویج وتکمیل کی راہیں کھولیں۔ حضرت علیؓ کی ہدایت پر آپ کے شاگردوں نے علم کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی ایک کتاب چرم آہو (ہرن کی کھال) پر لکھی ہوئی تھی۔ زائدہ بن قدامہ نے جو حسن بن عطیہ کے ساتھ جنگ روم ۶۰ یا ۱۶۱ھ میں شہید ہوئے تھے فن حدیث، تفسیر، تجوید اور اخلاقیات پر کئی کتابیں لکھی تھیں۔ علامہ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی کتاب السنن، کتاب القرآت، کتاب التفسیر، کتاب الزہد اور کتاب المناقب کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۔ فن ترجمہ کا آغاز | حضرت امیر معاویہؓ کے دور (۴۱ تا ۶۰ھ) سے فن ترجمہ کی ابتدا ہوئی۔ دمشق میں علم طب ونجوم کی کتابیں ترجمہ ہوئیں، امیر معاویہؓ ہی کے حکم سے شام کے ایک عیسائی طبیب ابن آثال نے طب کی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں، علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست" میں صفحہ ۳۵۱ تا ۳۶۰ کیمیائی تصانیف وتراجم کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جن میں متعدد کتابیں مثلاً کتاب الحرارت، کتاب الوصیت وغیرہ پہلی صدی ہجری کی ہیں۔

علاوہ ازیں امیر معاویہؓ ہی کے حکم سے عبید بن شریہ جرہمی نے دنیا کی مختلف اقوام کی ایک تاریخ مرتب کی تھی۔ ابن ہشام نے اس کا خلاصہ بھی لکھا ہے جو دائرۃ المعارف عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن) سے "کتاب التیجان" کے نام سے شایع ہوئی تھی۔

۳۔ دوسرا دارالترجمہ | خالد بن یزید نے دوسرا دارالترجمہ قائم کیا تھا جس میں زیادہ تر کیمیا وطب کی کتابیں عربی میں منتقل کردہ تھیں، طب کی وہ مشہور کتاب اسی دارالترجمہ کا سرمایہ تھی جس کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا استخارہ مشہور ہے۔

خالد بن یزید نے چند یونانیوں کو جو مصر میں پناہ گزین تھے ملک شام میں طلب کیا اور بعض یونانی وقبطی کتابوں کا عربی ترجمہ کرایا اور کئی رسائل بھی لکھے۔

۴۔ بغداد کا اہتمام | عہد بنی عباس میں مسلمانوں کا تیسرا دارالترجمہ قائم ہوا جس کا بانی عباسیوں کا دوسرا خلیفہ ابوجعفر منصور (۱۳۷ھ تا ۱۵۸ھ) تھا۔ اس کے عہد میں علم ہیئت وطب کی کتابیں ترجمہ ہوئیں، منصور کے بعد مہدی وہادی کا زمانہ خالی نظر آتا ہے مگر ان دونوں کی تلافی خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ) کے دارالترجمہ نے کردی جس نے علم ریاضی میں بطلیموس کی کتاب مجسطی شایع کرکے ایک نیا باب کھول دیا۔ اسی دور میں اقلیدس کے مقالے عربی میں نقل ہوئے اور سنسکرت کی کتاب "سند ہند" بھی نقل ہوئی۔

۵۔ بیت الحکمۃ | مامون ۱۹۹ھ تا ۲۱۸ھ کا دارالترجمہ جس کو بیت الحکمۃ کہتے تھے۔ نہایت باقاعدہ اور ترقی یافتہ شکل میں تھا۔ اس نے مختلف اقوام کے علما وحکما کو ملازم رکھ کر یونانی، سریانی، عبرانی، نبطی، لاطینی، فارسی اور سنسکرت کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرائیں مثلاً:

- فلسفہ ادب میں افلاطون کی آٹھ کتابیں۔
- فلسفہ ومنطق میں ارسطو کی انیس کتابیں۔
- علم طب میں بقراط کی دس اور جالینوس کی دس کتابیں۔
- ریاضی وہیئت (ASTRONOMY) میں اقلیدس، ارشمیدس اور بطلیموس کی بیس کتابیں۔
- فارسی زبان سے تاریخ وادب کی بیس کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ عربوں کو فارسی

زبان کا سرمایہ دیگر علوم وفنون مثلاً علم ہیئت، طب، ریاضی، سائنس سے خالی نظر آیا، اسی بنا پر انھیں صرف تاریخ وادب ہی کے ترجمہ پر قناعت کرنا پڑا۔

- سنسکرت زبان سے علم ریاضی، طب، ہیئت اور ادب کی تیس کتابیں ترجمہ ہوئیں۔
- سریانی اور نبطی زبانوں سے زراعت، باغبانی اور طلسم وغیرہ کی بیس کتابیں اور لاطینی اور عبرانی زبانوں سے مختلف فنون کی بیس کتابیں ترجمہ ہوئیں۔

مترجمین | اس عہد کے بہترین مترجمین کے نام بھی تاریخ نے محفوظ کر رکھے ہیں، مثلاً:

۱۔ خاندان بخت یشوع۔ یہ علم طب میں نبطی وعراقی ماہرین فن تھے۔ عیسائیوں میں "بوخت" بیٹے کو اور "دوخت" بیٹی کو کہتے تھے۔ اسی مناسبت سے بخت یشوع سے مراد حضرت عیسیٰؑ کے بیٹے۔

۲۔ خاندان حنین۔ یہ نصرانی خاندان تھا۔ اسلام کی رواداری اور منزلت شناسی نے اسے شیخ المترجمین کا درجہ دیا تھا۔

۳۔ قسطا بن لوقا۔ یہ بعلبک کا عیسائی تھا جو مختلف زبانیں جانتا تھا۔ علم طب، فلسفہ، ریاضی اور موسیقی سے دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے متعدد کتابیں یونانی سے عربی میں منتقل کیں۔ روغن نفط اسی کی دریافت ہے جس کی پچکاری سے آگ لگ جاتی تھی۔

۴۔ حبیش اعسم ۵۔ خاندان ماسرجویہ یہودی ۶۔ خاندان ثابت کلدانی۔ فرقہ صابی

۷۔ یحیی بن عدی ۸۔ متی بن یونس ۹۔ اسطفانی ۱۰۔ موسیٰ بن خالد و یوسف بن خالد۔

۱۱۔ ابن المقفع۔ ادب میں یگانۂ زمانہ تھے۔ کلیلہ ودمنہ کو فارسی سے عربی میں منتقل کیا۔ یتیمہ کی تالیف کی۔

۱۲۔ خاندان نوبخت۔ متکلمین امامیہ کے سربراہ تھے۔ کتاب "فرق الشیعہ" اسی

خاندان کے ایک رکن رکین کی ہے۔ جسے قسطنطنیہ سے جرمن مستشرقین کی مجلس نے شایع کیا۔

۱۳۔ حسن بن سہل۔ وزیر خلافت۔

۱۴۔ احمد بن یحیی بلاذری۔ مشہور مورخ ومولف فتوح البلدان کے مصنف، مولانا ابوالخیر مودودی نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔

۱۵۔ اسحاق بن یزید ۱۶۔ پنڈت منکہ ۱۷۔ پنڈت ابن دھن۔

۱۸۔ ابن وحشیہ کی کتاب الفلاحہ جس کو نامور ادیب مولوی سید ہاشم صاحب ناظم دائرۃ المعارف (حیدرآباد دکن) نے اردو میں نقل کیا ہے۔

۶۔ دار العلم | اسلامی فتوحات کے دور میں مصر کو بھی علمی میدان میں بغداد کا مقابلہ کرنا تھا دولت فاطمیہ کے خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے مصر میں جامع ازہر قائم کی اور عباسیوں کے بیت الحکمۃ کے بالمقابل قاہرہ میں ایک دار الترجمہ تشکیل دیا جس کا نام "دار العلم" تھا۔ مقریزی کی "الخطط والآثار" میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

۷۔ دار الترجمہ عجم | عجمیوں نے جب سامانیوں کے یہ علمی ساز وسامان بہم پہنچایا تو وہاں ایک دار الترجمہ قائم ہوا جس میں فارسی کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ انگریزوں نے عربوں کی بہترین جغرافیائی کتابوں کا جو سلسلہ شایع کرایا ہے اس میں اصل عربی کتب کے ساتھ ان فارسی ترجموں کے بعض اوراق بھی ثبت ہیں جو سلطنت سامانیہ کے دار الترجمہ سے لیے گئے ہیں۔ طبری کا فارسی ترجمہ بھی اسی کی یادگار ہے۔

۸۔ دار الترجمہ دہلی | ہندوستان میں سلطان فیروز شاہ باربک کے دار الترجمہ میں علوم ہیئت (ASTRONOMY)، نجوم (ASTROLOGY) اور طب (MEDICINE) کی کتابیں، جو سنسکرت میں تھیں ترجمہ ہوئیں، تاتار خان نے جو وزیر سلطنت ہونے کے علاوہ

ایک فاضل مصنف بھی تھا خود اپنی محنت اور علماء و فضلاء کی قابلیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے متعدد کتابیں لکھیں جو تاتار خانی کے نام سے مشہور ہیں۔ کشف الظنون میں بھی ان کا بیان موجود ہے۔

۹۔ دارالترجمہ کشمیر | اسلامی سلطنت کے کارہائے نمایاں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے کشمیر میں ایک دارالترجمہ قائم کیا تھا، جہاں تاریخ، نجوم و طب کی کتابیں فارسی میں ترجمہ ہوئیں۔

۱۰۔ دارالترجمہ الہ آباد | شہنشاہ اکبر نے دہلی میں ایک دارالترجمہ قائم کرایا جو ساری عجمی تعلیم گاہوں سے بڑھا ہوا تھا اور تراجم کے معیار و تعداد میں بھی۔

۱۱۔ دارالترجمہ شمس الامراء | دکن میں نواب ناصرالدولہ آصف جاہ چہارم کی حکومت میں امیر نواب شمس الامراء کا دارالترجمہ قائم ہوا جہاں انگریزی، فرانسیسی کے متعدد مثلاً علم ہوا (ATMOSPHERE) علم مناظر (OPTICS)، علم ہائیڈرو (HYDRO- -RAULICS)، علم فلک (ASTRONOMY) علم ریاضی (MATHS)، جرثقیل وغیرہ کے ترجمے ہوئے۔ مدرسۂ شمسیہ کے رسائل شش گانہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔

۱۲۔ محکمۂ علوم و فنون | محبوب علی پاشا (فرمانروائے دکن) کے عہد میں بھی ایک دارالترجمہ قائم ہوا جس کا نام "محکمۂ علوم و فنون" تھا اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی اس کے ناظم تھے۔ تواریخ ابن خلکان و ابن اثیر اسی محکمہ نے ترجمہ کی تھیں۔ صدر محاسبی (OFFICE OF ACCOUNTS, GENERAL) کی طرف سے جب اس محکمہ کی روزانہ کارگزاری پر قیود و بند عائد کر دی گئی تو ناظم دارالترجمہ سے برداشت نہ کر سکے اور انکا استعفیٰ کے ساتھ ہی یہ محکمہ ٹوٹ گیا۔

۱۳۔ دارالترجمہ دکن (BUREAU OF TRANSLATION) | آصف سابع میر عثمان علی خاں کے دور میں ۱۹۱۷ء کے لگ بھگ ایک وسیع دارالترجمہ کی تشکیل بمقام عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد عمل میں آئی۔ دارالترجمہ کے ہر شعبہ میں یہاں روزانہ اجلاس ہوا کرتے تھے شعبۂ مصطلحات میں فنون حیاتیات، کیمیا، طبیعیات، ریاضی، علم ہندسہ، معاشیات، قانون، تاریخ اور تدریسیات کی اصطلاحیں وضع کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ مجالس قائم ہوئیں۔

معارف کی ڈاک

مکتوب اسلام آباد

ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد

یکم جنوری ۱۹۹۷ء

جناب مدیر معارف سلام مسنون

معارف نومبر ۱۹۹۶ء پیش نظر ہے۔ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب صاحب کے مضمون "انٹرنس کورس فارسی مرتبہ علامہ شبلی" کے سلسلے میں میری حسب ذیل گزارشات ہیں:

۱۔ فاضل مضمون نگار کا یہ قیاس درست معلوم ہوتا ہے کہ اس کورس کی اولین طباعت ۱۸۹۶ء میں ہوئی (صفحہ ۳۷۰) اس کی تائید برٹش میوزیم کی فہرست مطبوعات فارسی[1] (ص ۶۷) سے بھی ہوتی ہے، اس فہرست میں مذکورہ کورس کے حسب ذیل ایڈیشنوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

الف۔ طبع آگرہ، ۱۸۹۶ء، ۲۲۲ صفحات

ب۔ طبع الہ آباد، ۱۹۰۱ء، ۲۲۴ صفحات

ج۔ طبع الہ آباد، ۱۹۰۲ء، ۲۲۴ صفحات

اس فہرست میں جہاں علامہ شبلی کے مذکورہ ایڈیشنوں کا ذکر ہوا ہے وہاں مصنف کے

1-EDWARD EDWARDS, A CATALOGUE OF THE PERSIAN PRINTED BOOKS IN THE BRITISH MUSEUM LONDON, 1922. P.67

نام کی تصریح کے بغیر ایک اور اندراج بعنوان "انٹرنس کورس فارسی... برائے امتحان ۱۹۰۵ء مطبوعہ ۱۹۰۵ء، ۵۸ ورق" (کذا) ہوا ہے۔ ضخامت کے فرق سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ غالباً مرتبہ شبلی نہ ہو؟

۲۔ مضمون میں کہیں کہیں کتابت (؟) کے اغلاط بھی درآئے ہیں۔ مثلاً سفرنامہ خسرو (ص ۳۰۱) کی جگہ سفرنامہ ناصر خسرو ہونا چاہیے۔ عبداللطیف السطوجی (ص ۳۰۱) کی جگہ عبداللطیف الطسوجی درست ہے۔ محتشم کاسی (ص ۳۰۲) نہیں بلکہ محتشم کاشی صحیح ہے۔

شذرہ میں (ص ۳۲۳) مغربی پنجاب کے شہر میانوی کو میانوالی پڑھا جائے تو صحیح ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین کاظمی کے مضمون "مطہر کا وطن" کے سلسلے میں مرحوم مولانا امتیاز علی عرشی کے مقالے "ظہور الاسرار نامی اور مطہر کرہ" مشمولہ مقالات عرشی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۰ء کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ اس میں عرشی صاحب نے کڑہ کا تعین کیا ہے۔

مخلص : عارف نوشاہی

مکتوب امریکہ

۲۰ دسمبر ۱۹۹۶ء
رچ منڈ۔ امریکہ

محترم مولانا ضیاء الدین صاحب! السلام علیکم

عین اس وقت جب میں عازم سفر تھا، سلطانہ اعجاز کے ٹیلیفون سے حادثۂ عظیم کی خبر ملی ....

حادثہ ایک وقتی چیز ہے اور اسکے ساتھ تھوڑے دنوں کی حرماں نصیبیاں ہیں، اسکی تھوڑی سی جھلک تداخل ایام کے دامن میں نظر آجاتی ہے، اصل صورت حال کیلئے فیصلے کے دن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ ویسے سکون قلب اسی میں ہے کہ مالک سے بہتری کی توقع رکھی جائے کیونکہ وہ اپنے بندوں پر بے انتہا رحیم ہے۔

میری کتاب "ایمانی پلائر" پہونچی ہوگی۔ دوسری دو کتابیں "النجوم" اور "خلیوں کی کہانی" ملی ہیں یا نہیں؟ عزیزی اعجاز سے منگا لیجیے گا۔ بچوں کے لیے "اسمائی اعمال" تیار کر رہا ہوں۔ تمنا ہے کہ اتنی مختصر اور آسان ہو کہ بچے زبانی یاد کر لیں اور بعد میں انھیں معلوم ہو کہ ہم نے جو یاد کر لیا ہے وہ قرآن ہے"۔

دعاؤں کا طالب : ریاض

ادبیات

غزل

از جناب شاہ اقبال ردولوی صاحب

دھوپ بھی چاندنی راتوں کا مزا دیتی ہے
زندگی آپ کی یادوں کو دعا دیتی ہے

یاس جب سارے چراغوں کو بجھا دیتی ہے
بڑھ کے امید نئی شمع جلا دیتی ہے

ایک لمحہ جو ترے غم کو بھلا دیتا ہے
زندگی اس کو بڑی سخت سزا دیتی ہے

گردشیں ساری زمانے کی لرز جاتی ہیں
روح جب ہادیٔ برحق کو صدا دیتی ہے

زخم دل، داغ جگر، وعدۂ فردا یعنی
فصل گل دیکھئے اب کے مجھے کیا دیتی ہے

گردش بخت وہ گردش ہے کہ اقبال اکثر
ہوش والوں کو بھی دیوانہ بنا دیتی ہے

غزل

از جناب ابرار اعظمی صاحب

مرے شعور کا تیور مری تلاش میں ہے
مرے یقین کا محور مری تلاش میں ہے

وہ دیکھو صبح کا منظر مری تلاش میں ہے
سنو کہ مہر منور مری تلاش میں ہے

مرے خیالوں کو دے کر حسین پیراہن
سنا ہے اب وہ فسوں گر مری تلاش میں ہے

میں حیرتی نہیں، ہاں آئینہ سا لگتا ہوں
کچھ اس یقیں پہ کہ جوہر مری تلاش میں ہے

مرا وجود ہے مثل صدف تہی دامن
مگر خیال کہ گوہر مری تلاش میں ہے

عجیب شخص ہوں میں بھی، کھڑا ہوں صحرا میں
پکارتا ہوں، سمندر مری تلاش میں ہے

صنم کچھ اور تراشے گا منفرد، دلکش
مری زبان کا آزر مری تلاش میں ہے

وہ دیدنی سا، خلاؤں میں محو رقص خرام
مری غزل کا ہے پیکر، مری تلاش میں ہے

میں تشنہ لب نہیں، تشنہ لبی ہے میر اشعار
ہزار مینا و ساغر مری تلاش میں ہے

ہزار بار نظر جس پہ جاکے لوٹ آئی
وہ کہہ رہا ہے کہ آ، گر مری تلاش میں ہے

یہ ربطِ لفظ و معانی، عطائے خالقِ 'کن'
اسی میں ڈھونڈھ مجھے گر مری تلاش میں ہے

غزل

از جناب وارث ریاضی صاحب

نہ لفظوں میں بیاں ہونا نہ آنکھوں سے عیاں ہونا
کمالِ عشق ہے اسرارِ الفت یوں نہاں ہونا

نمود ایسی کہ ہمدوشِ فرازِ کہکشاں ہونا
نہاں کچھ اس طرح ہونا کہ بے نام و نشاں ہونا

خوشی مخصوص ہے اس جانِ عالم کے لیے لیکن
تجھے اے غم! مبارک حاصلِ کون و مکاں ہونا

کریں وہ نالۂ غم سے بہارِ جاوداں پیدا
عبث ہے گوشۂ زنداں میں فکرِ آشیاں ہونا

کہانی قیس کی وردِ زباں دنیا میں ہے لیکن
مرے دردِ محبت کو نہ آیا داستاں ہونا

جہانِ عشق میں غم کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا
یہاں بے سود ہے اندیشۂ سود و زیاں ہونا

مرے چہرے میں پڑھ لیں میری بربادی کا افسانہ
کہ مشکل ہے زباں سے داستانِ غم بیاں ہونا

تو اے سیلابِ غم! رہنا سمٹ کر دیدہ و دل میں
عیاں ہونا تو پھر وسعت میں بحرِ بے کراں ہونا

قیامت ہے کہ رہزن قوم کے سردار بن جائیں
مصیبت ہے ہوس رانوں کا میرِ کارواں ہونا

رہِ غم میں پریشاں نکہتِ گل کی طرح میں ہوں
مری قسمت میں تھا گردِ غبارِ کارواں ہونا

عمل کی راہ میں اربابِ ایماں کے لیے یکسر
ہزیمت ہے اسیرِ گیسوئے وہم و گماں ہونا

عمل سے منحرف ہوکر مسلسل آرزوؤں سے
بہت مشکل ہے راہِ زندگی میں کامراں ہونا

کوئی کچھ بھی کہے لیکن دلیلِ حجتِ حق ہے
بتوں کی صف میں ناقوسِ برہمن سے اذاں ہونا

اسی کو دی گئی ہے دولتِ علم و یقیں وارثؔ!
جسے تھا محرمِ اسرارِ بزمِ دو جہاں ہونا

مطبوعات جدیدہ

نگارشات از جناب ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی، مرتب جناب ڈاکٹر محسن عثمانی، بتوسط تقطیع بہترین کاغذ، کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۴۲، قیمت درج نہیں، پتہ، مجلس علمی، بی ۱۲۱، ذاکر باغ، اوکھلا روڈ، نئی دہلی ۲۵۔

یہ علمی، دینی، سیاسی اور صحافتی موضوعات پر قریب پینتالیس مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے۔ اکثر تحریریں فاضل مصنف کی ادارت میں نکلنے والے رسالہ ذکر و فکر دہلی میں چھپ چکی ہیں، رسالہ کی اشاعت اب موقوف ہے، لائق مرتب نے انکو اور دوسرے مضامین کو بڑے سلیقہ سے یکجا و مرتب کر کے چند سال پہلے شایع کر دیا تھا، زیر نظر مجموعہ اسی کا دوسرا اڈیشن ہے، اس میں بعض ان اداریوں کو بھی شامل کر دیا گیا ہے جو مولانا نے ندوہ کے ترجمان تعمیر حیات کے لیے سپرد قلم کیے تھے۔ اسلام اور علم، اسریٰ و معراج، شانِ عبدیت، محدث ابن الاثیر جیسے بلند پایہ مضامین کے علاوہ مولانا آزاد کی ترجمان القرآن اور مولانا دریابادی کی تفسیر ماجدی اور مستشرقین اور سیکولرزم کی تاریخی حیثیت پر بھی بہت وقیع تحریریں ہیں، وقتی اور عصری مسائل پر بھی متعدد مختصر مضامین ہیں، اصابت رائے اور حسن تجزیہ کے علاوہ ان تمام نگارشات کا وصف خاص فاضل صاحب قلم کا دلکش و دلآویز طرز و اسلوب ہے، ایک باب اسلامی ادب کے عنوان سے خاص کیا گیا ہے، حالانکہ ان کی ہر تحریر اسلامی ادب کی صالح، پاکیزہ، بامقصد اور معیاری روایات و خصوصیات کی حامل ہے اور بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔ پیش لفظ میں لائق مرتب نے جہاں تعارف کا فریضہ انجام دیا وہیں انہوں نے مصنف کے تعلق سے لکھنؤ کے ایک قضیہ نامرضیہ کا ذکر بھی چھیڑ دیا جو

قطعی غیر ضروری اور بے جا نظر آتا ہے۔

انجمن خدام کعبہ از جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری، متوسط تقطیع، کاغذ اور کتابت و طباعت گوارا، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۱۰، قیمت ۳۰ روپے، پتہ: مکتبہ رشیدیہ، مراد اسٹریٹ، پاکستان چوک، کراچی ۱ پاکستان یا مکتبہ شاہد، علی گڑھ کالونی، کراچی ۱۴، پاکستان۔

اس صدی کے اوائل میں انگریزوں کے تسلط سے رہائی اور ملک کی آزادی کے حصول کی خاطر چھوٹی بڑی متعدد تحریکیں سرگرم عمل ہوئیں، اب ایک صدی گزرنے کے بعد یہ تاریخ کا ایک حصہ بن کر ذہنوں سے فراموش ہوتی جارہی ہیں، انجمن خدام کعبہ بھی اسی سلسلۂ جد وجہد کی ایک کڑی ہے جو ۱۹۱۳ء میں لکھنؤ میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی اور علی برادران کی رہنمائی و سرپرستی میں قائم ہوئی تھی، اس کے مقاصد میں گو مسلمانان ہند کی تعلیمی و معاشرتی اصلاح و ترقی بھی شامل تھی، مگر اصل غایت حرمین شریفین کی حرمت و عظمت کے تحفظ کی سعی بلیغ تھی جس کے ضمن میں انگریزوں اور یوروپی اقوام کی ہوس ملک گیری سے نبرد آزما ہونے کی تمنا بھی شامل تھی، یہ تحریک گو بن کھلے مرجھا گئی، لیکن اس غنچۂ ناشگفتہ کی مختصر داستان اس دور کے ذہن و مزاج کو سمجھنے کے لیے سامان بصیرت رکھتی ہے، اس کتاب میں فاضل مرتب نے انجمن کے آغاز، مقاصد، نظام، خدمات اور حکومت وقت کے شبہات اور سزا و عتاب کے متعلق اصل ماخذ سے مستند معلومات جمع کر دیے ہیں، ایک باب میں قدرے تفصیل سے اس تحریک کی ناکامی کے اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہی سب سے اہم ہے، انجمن کے سلسلہ میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نام مولانا فرنگی محلی کا وہ طویل خط بھی اس میں شامل ہے جس کا ایک جملہ یہ ہے کہ "حرم کے ہر ذرہ ذرہ کی بے حرمتی کا عصیان آپ کے

سر پر ہے"، علامہ شبلی نعمانی کی نظم بھی انجمن کے سلسلہ میں انہوں نے ہمدرد کے صفحات سے ڈھونڈ نکالی ہے جو مولانا کے کشاف کے قلمی نام سے ۱۹۱۴ء میں چھپی تھی، یہ اس لیے بھی اہم ہے کہ کلیات شبلی میں اب تک یہ شامل نہیں، البتہ ایک جگہ علامہ شبلی کا سنہ وفات غلطی سے ۱۹۱۲ء لکھ دیا گیا ہے۔

تحریک اسلامی کے عالمی اثرات از جناب مولانا خلیل احمد الحامدی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، صفحات ۲۲۴، قیمت ۳۲ روپے، پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی، ۱۳۵۳، چتلی قبر دہلی ۶۔

مولانا خلیل حامدی مرحوم پاکستان کی جماعت اسلامی کے ممتاز رہنما تھے وہ مولانا مودودی کے تربیت یافتہ اور معتمد خاص تھے، جماعت کے عربی ترجمان اور عربی ممالک میں اس کے سفیر بھی تھے، اس کتاب میں انہوں نے اپنے مطالعہ و مشاہدہ کی روشنی میں مختلف ملکوں میں جماعت اسلامی کے اثر و نفوذ کی نشاندہی کی ہے، جماعت کی علمی، فکری، تحریکی اور اصلاحی سرگرمیوں سے واقفیت کے لیے یہ کتاب معلومات سے لبریز ہے، یہ مضامین دراصل جماعت کے کارکنوں کی ایک تربیت گاہ میں پیش کیے گئے تھے اس لیے قدرتاً ان میں کہیں کہیں خطیبانہ بلند آہنگی اور ترغیبانہ تعلی کے عناصر بھی موجود ہیں، مثلاً جوش کلام میں یہ کہنا کہ جماعت نے مغربی تہذیب کے سحر کو کافور کیا ورنہ علامہ رشید رضا اور علامہ شبلی نعمانی اور دوسرے علمائے کبار بھی اس کے سامنے سپر انداز ہو گئے تھے۔ جدید مسلمان ماہرین معاشیات کی مدح و تحسین کے ساتھ اس جملہ استخفاف کی قطعی ضرورت نہ تھی کہ "یہ باتیں کسی مسجد کے خطیب یا قدوری کے معلم یا دار الافتاء کے مفتی کی نہیں"۔

کشمیر میں عربی شعر و ادب کی تاریخ از جناب ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری،

متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور مناسب کتابت و طباعت، صفحات ۱۶۶، قیمت درج نہیں، پتہ: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف کلچر اینڈ لنگویجز، سرینگر، کشمیر۔

جنت نظیر کشمیر کی وادیوں میں جب اسلام کی بہار آئی تو کلام ربانی کی زبان عربی مبین کی نعمت بھی ساتھ لائی، علما و مشائخ اور مبلغین اسلام کی برکت سے علم و فضل کا مدار عربی زبان و علوم کی تحصیل پر ہی رہا، البتہ سیاسی اور جغرافیائی اسباب سے پورے ملک کے مانند کشمیریوں نے بھی فارسی شعر و سخن کے ساتھ خاص اعتنا کیا، اس قابل قدر کتاب میں بڑی محنت و جستجو سے کشمیر میں عربی شعر و ادب کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس عام خیال کے باوجود کہ تاریخ ادبیات کشمیر میں کسی ایک کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ اس نے عربی شاعری کو بطور مستقل فن اپنایا ہو، لائق مصنف نے متعدد کشمیری شعراء کے عربی کلام تک رسائی حاصل کی، اس سے پہلے وہ کشمیر میں اسلام اور عربی علوم کی اشاعت کے موضوع پر کتابیں شائع کر چکے ہیں، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، توقع ہے کہ پیش رو کاوشوں کی طرح اسے بھی قبولیت حاصل ہوگی۔

سفر حجاز از جناب شارق علوی، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، ۵۶ صفحات، پتہ: C-8، وگیان پوری، ماہ نگر، لکھنؤ، یوپی ۲۲۶۰۰۶۔

"حج بیت اللہ ورسولہ" ایک اور سادہ، مختصر اور پر اثر روداد سفر ہے، قلب و ذہن کے تاثرات کے علاوہ ہندوستانی حجاج کو پیش آمدہ مسائل و تجربات کا بھی بیان ہے جن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

ع۔ ص۔